ناسور
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۹۴

ناسور

اشتیاق احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اُترتے ہیں۔ ایک دُعا کرتا ہے ”اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ دُوسرا فرشتہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔“

مشکوٰۃ شریف

السلام علیکم!

اس مرتبہ میں ایک بات کہنے پر مجبور ہوں۔ یوں تو پہلے بھی کئی باتیں کہنے پر مجبور ہو چکا ہوں، لیکن اس مرتبہ ایک بالکل نئی بات کہنی ہے۔ خاص نمبر کی ڈاک جو ان دنوں ملنا شروع ہوئی ہے۔ پڑھ پڑھ کر میں حیرت کے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔ اب تو خطرہ لاحق ہو چکا ہے کہ اس سمندر سے اُبھر بھی سکوں گا یا نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ خطوط اس قدر اچھے، صاف ستھرے اور پیارے پیارے موصول ہو رہے ہیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ کے خطوط تو انعامی مقابلوں میں رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن شاید اس قسم کا کوئی مقابلہ ہمارے ملک میں نہیں ہوتا۔ خیر۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ ناولوں کے آخر میں تو شائع ہو ہی جائیں گے۔ اور آپ کے لیے یہ انعامی مقابلے سے بھی بڑھ کر بات ہو گی۔ اس وقت تک خاص نمبر "سیون ٹوئنٹی کی واپسی" کا نتیجہ ۹۹٪ موصول ہوا ہے۔ یعنی سو میں سے ایک خط ناپسندیدگی کا موصول ہو رہا ہے۔ آگے دیکھیں کیا بنتا ہے۔

اللہ حافظ۔

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں — شکریہ!

مخلص،

اشتیاق احمد

گڑبڑ کی بو

"محمود — مجھے اس تقریب میں کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

فرزانہ کے جملے نے انہیں چونکا دیا، پھر فاروق نے منہ بنا کر کہا:

"کوئی ایسی تقریب — جس میں تمہیں گڑبڑ کا احساس نہ ہوا ہو؟"

"مجھے یاد نہیں۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"اور محمود — تمہیں بھی کچھ یاد ہے یا نہیں؟"

"میں ایسی باتوں کو یاد نہیں کرتا پھرتا۔" محمود نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے — فرزانہ کو وہم ہوا ہے — یہاں ہر طرف سکون ہی سکون ہے — سب مہمان مطمئن اور خوش دکھائی دے رہے ہیں — ہمارے میزبان کے چہرے پر تو خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے — ان حالات میں یہ کہنا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے — فضول سی بات ہی ہو سکتی ہے۔" فاروق جلدی جلدی

بولا۔

"اس کے باوجود مجھے گڑبڑ کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"اوہ۔ تب تو تمہیں فوراً باورچی خانے کی طرف جانا چاہیے۔ یہ خانساماں حضرات وہاں کوئی چیز ضرور جلا رہے ہیں۔" محمود بولا۔

"میرا دماغ نہیں چل گیا کہ میں باورچی خانے کا رُخ کروں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"گویا جو لوگ باورچی خانوں میں ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ چلے ہوئے ہوتے ہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"میں نے یہ بھی نہیں کہا۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"تب پھر۔ تم نے کیا کہا ہے۔ ذرا ہم بھی تو سُنیں۔"

"صرف یہ کہ یہاں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور اس کا ثبوت کیا ہے تمہارے پاس؟" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"ثبوت کوئی نہیں۔ ابھی یہ معاملہ صرف محسوس کرنے کی حد تک ہے۔"

"تب پھر میرا مشورہ مانو۔ آؤ ہم اپنے گھر چلیں۔" فاروق

مسکرایا۔

"کیا مطلب۔ اپنے گھر چلیں۔"

"ہاں! جہاں ہم جاتے ہیں۔ وہاں کوئی نہ کوئی چکر چل جاتا ہے۔ ہم ابھی یہاں پہنچے ہی ہیں اور چکر کی بُو محسوس ہونے لگی۔ اگر واپس چلے گئے تو چکر نہیں چلے گا۔ اس طرح یہ گھرانہ چکر سے بچ جائے گا۔ ان کا بھلا ہو گا۔" فاروق نے نئی کہی۔

"یہ بالکل غلط بات ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غلط بات ہے۔ وہ کیسے؟"

"شہر میں روزانہ نہ جانے کتنی وارداتیں ہوتی ہیں۔ کیا ہر واردات کے موقعے پر ہم موجود ہوتے ہیں؟"

"ہم نے ہر ایک کا ٹھیکا تو لے نہیں رکھا۔ نہ ہم ہر جگہ جا ہی سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ارے! آپ تینوں یہاں کیوں رک گئے۔ بھئی آگے چلیں نا۔ حد ہو گئی۔"

پیچھے سے آنے والی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ مڑ کر دیکھا تو خاور شزکانی چلے آ رہے تھے۔ ابھی ابھی صدر دروازے پر انہوں نے ہی ان کا استقبال کیا تھا۔

آج خاور شزکانی کے ہاں بڑے بڑے لوگوں کی دعوت

تھی - یعنی صرف اونچے درجے کے سرکاری افسروں کی ۔ انسپکٹر جمشید بڑے سرکاری افسر تو نہیں تھے، لیکن انھیں بڑا خیال کیا جاتا تھا، اس لیے انھیں محمود، فاروق اور فرزانہ سمیت دعوت دی گئی تھی - اس وقت سے صرف سوا دو گھنٹے پہلے وہ گھر آئے تھے تو انھوں نے آتے ہی کہا تھا:

"تیار ہو جاؤ بھئی - تم تینوں کو ایک پارٹی میں جانا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کو نہیں جانا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں - میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔" انھوں نے کہا۔

"جی - کیا مطلب - کیا آپ ہم سے علیحدہ آئیں گے۔"

"پتا نہیں - ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا - بس تم لوگ تیار ہو جاؤ۔"

"لیکن ابا جان - جانا کہاں ہے؟"

"نادر شہر کانی صاحب کے ہاں۔"

"یہ کون ذاتِ شریف ہیں؟" محمود نے حیرت ظاہر کی۔

"شہر کے بہت بڑے آدمی - ان کے ہاں بڑے بڑے آفیسرز کی دعوت ہر سال ہوتی ہے - گویا یہ سالانہ دعوت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور اس سالانہ دعوت میں ہمارا کیا کام - ہم بڑے بڑے آفیسرز میں کب سے شمار ہونے لگے ابا جان؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا - انسپکٹر جمشید اس کی بات سن کر مسکرائے۔

"ہاں! بات ٹھیک ہے - ہم واقعی بڑے آفیسر نہیں ہیں، پہلے کبھی ہمیں بلایا بھی نہیں گیا، لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ اس بار بلایا گیا ہے - مجھے اس بلائے جانے میں کوئی چکر محسوس ہوتا ہے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اگر آپ کو یہیں چکر معلوم ہو رہا ہے تو وہاں جا کر تو کیا نہیں ہو گا۔" فاروق گھبرا گیا۔

"اس کے باوجود تم لوگوں کو وہاں جانا ہو گا - یہ لو - کارڈ۔"

یہ کہہ کر انھوں نے سنہری رنگ کا ایک بہترین قسم کا دعوت نامہ ان کے سامنے رکھ دیا - انھوں نے پڑھا - اس پر لکھا تھا - انسپکٹر جمشید صاحب اور ان کے بچے -

"گویا ہمیں بھی باقاعدہ دعوت دی گئی ہے۔" فاروق بڑبڑایا -

"یہی بات ہے - اور اسی پر مجھے حیرت ہے۔"

"تب پھر آپ کیوں نہیں جا رہے؟"

"میں سوچ رہا ہوں - کہیں ہمیں کسی خاص وجہ سے تو

وہاں نہیں اُلجھایا جا رہا۔ اور اس دوران شہر میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہونے والی۔"

"ایسا کوئی امکان تو نظر نہیں آتا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ہمیں ہوشیار تو رہنا چاہیے۔" وہ بولے۔

"کیا مسٹر خاور تُھرکانی ذاتی طور پر ہم لوگوں کو جانتے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اخبارات میں ہماری تصاویر انھوں نے ضرور دیکھی ہوں گی۔ ملاقات ان سے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم اپنا تعارف کروا دینا اور بس۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم تعارف کروانے کے کافی ماہر ہیں۔" محمود مُسکرایا۔

"جب کہ اس میں کسی مہارت کی کوئی ضرورت نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"باتیں بعد میں۔ تیاری پہلے۔ تم لوگوں کو ٹھیک سات بجے وہاں پہنچنا ہے۔ اور اس وقت پونے پانچ بج رہے ہیں۔ میں دفتر سے اسی سلسلے میں پہلے آیا ہوں۔"

"بہت بہتر۔"

اور اس طرح وہ ٹھیک سات بجے خاور تُھرکانی کی

کوٹھی کے گیٹ پر پہنچے۔ تو انھوں نے قیمتی ترین کاروں کی قطار کوٹھی کے سامنے کھڑی دیکھی۔ وہ بھی اپنی موٹر سائیکلوں سے اُترے اور آگے بڑھے۔ دروازے پر انہیں بھورے بالوں والا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا نظر آیا۔ مہمان ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اندر جا رہے تھے، وہ بھی دروازے پر پہنچ گئے۔

"آپ کی تعریف؟" بھورے بالوں والے نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کارڈ دیکھ لیں۔" محمود نے کہا۔

"اوہو آپ انسپکٹر جمشید کے۔"

"جی ہاں!"

"لیکن انسپکٹر صاحب نظر نہیں آرہے۔"

"شاید وہ نہیں آسکیں گے۔ مصروف ہیں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں نے جس کسی کو بھی دعوت دی۔ وہ میری دعوت میں ضرور شریک ہوا۔ ایسا آج تک نہیں ہوا کہ کوئی کسی مصروفیت کی وجہ سے نہ آسکا ہو۔ کسی کو ہزار مصروفیتیں ہوں، تب بھی آکر رہتا ہے۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں جناب۔"

"ہوں خیر۔ میں فون پر ان سے بات کروں گا۔ آپ لوگ اندر چلیے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ کیا آپ ہی خاور شرکانی ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ اور مجھے نہیں جانتے۔"

"جی۔ دراصل ہم پہلی مرتبہ آئے ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ اخبارات میں تو میرے بارے میں بہت کچھ شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور ساتھ میں میری تصاویر بھی چھپتی رہتی ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہم اپنی پسند کی خبریں پوری پڑھتے ہیں۔ باقی خبروں کی صرف سرخیاں دیکھ لیتے ہیں۔"

"اور آپ کی پسند کی خبریں کون سی ہیں؟"

"ذرا جاسوسی قسم کی۔"

"اوہ اچھا خیر۔ آپ اندر تشریف لے چلیے۔"

وہ آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر باغ کے کنارے پر ہی رک گئے۔ اور رکنے میں پہل فرزانہ نے کی۔ ساتھ ہی اس نے کہا تھا:

"خبردار! مجھے اس تقریب میں کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

★

اور پھر پیچھے سے خاور شرکانی نے آکر کہا تھا:

"ارے! آپ تینوں یہاں کیوں رک گئے۔ بھئی آگے چلیں نا۔ حد ہو گئی۔"

"آگے جانا خطرے سے خالی نہیں جناب شرکانی۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کک۔ کیا مطلب۔ خطرہ۔ اور میری کوٹھی میں۔ کیا بات کرتے ہیں۔"

"کیوں۔ کیا آپ کی کوٹھی اور خطرے کا آپس میں بیر ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بالکل درست بات کی۔ یہی بات ہے۔" انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

ان کی آواز باغ تک پہنچ گئی۔ اور کچھ لوگ مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"لیکن جناب۔ میرا خیال ہے۔ آج ان میں صلح ہو گئی ہے۔" فاروق بولا۔

"تب تو جناب ہم آپ کی اُمیدوں پر پورے اُتریں گے، وُہ بھی ایسے ویسے پورے نہیں - بالکل پورے۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"نظر تو یہی آ رہا ہے، لیکن درمیان میں آپ لوگ کچھ گھپلا بھی تو بگھار رہے ہیں۔"

"گھپلا بگھارنا - بھئی واہ - آپ تو نئے محاورات گھڑنے میں بھی ماہر ہیں - حیرت ہے۔" فرزانہ نے سچ مچ حیران ہو کر کہا۔

"ارے - یہ - یہ کیا - یہ - یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے - جیسے آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہوں۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"جی - کیا مطلب؟"

"خطرہ - بلکہ رنگین خطرہ۔"

"رنگین خطرہ - آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ابھی ابھی - میری بائیں آنکھ پھڑکی تھی - اور مجھے اس آنکھ کے سامنے رنگ برنگے ستارے سے نظر آئے تھے - ایسی بات صرف اسی وقت ہوتی ہے - جب کہ آس پاس ہی کوئی زبردست خطرہ موجود ہو - اور میں زبردست خطرے کو رنگین خطرہ کہا کرتا ہوں۔"

"پھر - اب آپ کا کیا خیال ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"مُخل - کیں ہیں۔" خاور شرکانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کی کوٹھی اور خطرے میں۔"

"ن - نہیں - یہ نہیں ہو سکتا - یہاں کوئی خطرہ پر نہیں مار سکتا۔"

"بے چارے خطرے کے پَر ہوتے ہی نہیں - تو مارے گا کہاں سے - وُہ تو ہمیشہ بے پر کی اُڑاتا ہے۔" فاروق بولا۔

خاور شرکانی نے اسے تیز نظروں سے گھورا، پھر جلے کٹے انداز میں بولا،

"شاید آپ اس خیال میں ہیں کہ جس قسم کی بامحاورہ اُردو آپ بول سکتے ہیں - اور کوئی نہیں بول سکتا۔"

"ایسے پر غرور خیال کو ہم پاس بھی نہیں پھٹکنے دیا کرتے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اوہ - پھر محاورہ۔" وُہ چونکے -

"خیر تو ہے جناب - ان محاورات سے آپ بھی شیر و شکر تو نہیں رہتے۔"

"ہاں بالکل - میں بے محاورہ اُردو بولنا اُردو کی شان میں گستاخی خیال کرتا ہوں - وُہ اُردو ہی کیا جس میں محاورات نہ ہوں - بلکہ جب تک پے در پے محاورات نہ شامل ہوں، مزا نہیں آتا۔"

"پہلے آپ خیال ظاہر کریں۔"

"ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس تقریب کو فوراً منسوخ کر دیا جائے۔ اور مہمانوں کو فوراً کوٹھی سے باہر نکال دیا جائے۔"

"معلوم بھی ہے۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جی۔ نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"ہاں! تو پھر سنیے۔ میرے ہاں کے مہمان کوئی معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ وزیر تک اندر موجود ہیں۔ ان سے کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کوٹھی سے فوراً نکل جائیں۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ یہ سب کے سب تو اس طرح بھاگیں گے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کا خیال بھی دل میں نہیں لائیں گے۔ بس آپ ہمیں اجازت دے دیں۔ اور بے شک آپ یہیں ٹھہریں۔"

"لیکن میرا خیال ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ خطرہ اس قسم کا نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر آپ کے خیال میں خطرہ کس قسم کا ہو سکتا ہے؟" محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ بھی میں نہیں جانتا۔"

"جب آپ نہیں جانتے تو پھر کیوں ان سب کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ ارے یہ کیا۔ اندر تو پروفیسر انکل بھی موجود

ہیں۔" محمود بری طرح اچھلا۔

"کون پروفیسر انکل؟" خاور شرکانی نے منہ بنایا۔

"پروفیسر داؤد صاحب۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاں بہت بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔"

"اور میں نے تو ان کے ساتھ انکل خان رحمان کی بھی جھلک دیکھ لی ہے۔" فرزانہ نے پُرجوش آواز میں کہا۔

"تو یہ بھی آپ لوگوں کے انکل ہیں؟"

"جی ہاں! بالکل۔ مہربانی فرما کر اب دیر نہ کریں۔ کم از کم ان سب مہمانوں کو کوٹھی کے اندر ہی لے چلیں۔ اور تقریب اندر منا لیں۔ باغ کو ضرور خالی کر دیں۔"

"اس میں بھی میری ذلت ہے۔"

"لیکن جناب۔ اگر یہاں ڈائنا میٹ پھٹ گیا تو پھر آپ کی عزت کہاں رہ جائے گی۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ہوں! یہ بات بھی کام کی ہے۔ خیر۔ میری طرف سے اجازت ہے آپ لوگ جا کر مہمانوں کو ہٹا دیں۔ میں استقبال کے بہانے دروازے پر ہی موجود رہوں گا، اگرچہ تمام مہمان آ چکے ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ لیجیے ہم چلے۔ باغ کو خالی کروانے۔"

محمود نے کہا۔

اور تینوں نے بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا۔ اور مہمانوں کے نزدیک ہوتے چلے گئے۔ اور انھوں نے یہ دوڑ صرف اور صرف مہمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے لگائی، ادھر مہمانوں نے جو انھیں دوڑ کر آتے دیکھا تو اکثر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ متوجہ ہونے والوں میں پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی تھے۔ ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ اسی وقت وہ بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا:

"معزز حاضرین۔ آپ سب سے التماس ہے کہ باغ کو فوری طور پر خالی کر دیں۔ اور کوٹھی کے اندر چلیں۔ اب یہ تقریب کوٹھی میں ہو گی۔"

"کیوں۔ کیا شرکائی صاحب نے باغ فروخت کر دیا ہے؟" کسی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن یہاں خطرہ ہے۔ اور خطرے سے آپ کو محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔"

"خطرہ۔ کیا مطلب۔ کیسا خطرہ؟"

"شاید یہاں کوئی بم پھٹ جائے۔"

"نن۔ نہیں۔ تم۔ تم مذاق کر رہے ہو۔"

"یہ لوگ ایسا مذاق نہیں کر سکتے۔" پروفیسر داؤد بلند آواز میں بولے۔

"پروفیسر صاحب۔ آپ انھیں کیا جانیں۔"

"میں اور انھیں نہ جانوں۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"ہوں گے۔ انھیں غیب کا علم نہیں۔" ایک مہمان نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات آپ نے بالکل ٹھیک ارشاد فرمائی۔ واقعی ہم غیب کا علم نہیں جانتے۔ ہم تو کسی گنتی میں ہی نہیں۔ غیب تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ لیکن ہمارا ایک اندازہ ہے۔ اور وہ یہ کہ باغ میں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اور ایسا اندازہ ہم اس بنا پر لگانے کے قابل ہیں، کیوں کہ دن رات اسی قسم کے حالات میں گھرے رہتے ہیں۔ ہم اپنا فرض پورا کر چکے۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے۔ باغ سے جائیں یا نہ جائیں۔" اتنا کہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"آؤ خان رحمان۔ ہم تو کم از کم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"بالکل۔ آئیے۔" خان رحمان نے کہا۔

دونوں مہمانوں سے نکلے اور اندر کی طرف بڑھے، پھر ٹھٹک کر رُک گئے اور خان رحمان نے حیران ہو کر کہا:

"اور خود تم تینوں۔"

"ہم بھی اندر چلیں گے۔ لیکن ذرا ٹھہر کر۔"

"کیوں۔ اس میں ٹھہرنے کی کیا بات ہے۔" پروفیسر داؤد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی بس ہے۔ مہربانی فرما کر آپ جلدی سے کوٹھی کے اندر چلے جائیں۔"

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے اندر کی طرف چلے گئے۔ تمام مہمانوں نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ ان میں سے کوئی جانے کے لیے تیار نہیں تھا، پھر خاور شرکانی وہاں پہنچ گئے۔

"تم نے سنا۔ خاور شرکانی۔ تمہارے باغ میں خطرہ ہے۔ ہاہاہا۔" ایک مہمان نے بلند آواز میں کہا۔ اور پھر اس کا قہقہہ باغ میں گونج اٹھا۔

"ہاں، ان لوگوں نے مجھ سے بھی ذکر کیا تھا۔ مجھے بھی آپ کی طرح یقین نہیں آیا تھا، تاہم ان کی بات سن کر میری بائیں آنکھ ضرور پھڑکی تھی اور نہ جانے کیوں خطرے کا احساس ہوا تھا۔ اسی لیے میں نے انھیں یہ اعلان کرنے کی اجازت دے دی تھی۔"

"بس اعلان ہو گیا۔ اب اس مذاق کو ختم کرو اور تقریب شروع ہو جانی چاہیے۔"

"جی۔ جی ہاں۔ کیوں نہیں۔" خاور شرکانی بولے۔

"گویا۔ تقریب یہیں منائی جائے گی۔"

"ہاں بالکل۔"

"آؤ بھئی چلیں۔ ہم تینوں اپنے انکلز کے ساتھ اندر تقریب منائیں گے۔" محمود بولا۔

"ہم۔ مجھے بھی۔ ڈر محسوس ہو رہا ہے۔"

ایک آواز نے انھیں چونکا دیا۔

بم کا دماغ

انھوں نے دیکھا ۔ یہ جملہ کہنے والا ایک پینتیس چالیس سال کا آدمی تھا ۔ سیاہ بالوں میں صرف چند بال سفید نظر آ رہے تھے ۔

"لو بھئی ۔ رضوی صاحب کو بھی ہوا وہم ۔" کسی نے طنزیہ لہجے میں کہا ۔

"آپ اسے وہم ہی کہ لیں ، لیکن میں نہ جانے کیوں خوف محسوس کر رہا ہوں ۔ شاید ایسا ان لوگوں کے اعلان کی وجہ سے ہے ۔" اس نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا ۔

"یار کاشر رضوی ۔ میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا ۔" ایک اور مہمان نے کہا ۔

"اور میں اتنا بزدل ہوں بھی نہیں ۔ لیکن اس وقت نہ جانے کیا بات ہے ۔ واقعی خوف محسوس کر رہا ہوں ۔"

"تو پھر تم بھی اندر چلے جاؤ ۔" ایک اور مہمان نے کہا ۔

"ضرور یہ لو ۔ میں جا رہا ہوں ۔"

اس نے کہا اور چلا اندر کی طرف ـــــ

"ٹھہرو رضوی ۔ یہ کیا دوستی ہوئی ۔ یا تو جاؤ نہیں ۔ اور اگر جانا ہے تو مجھے ساتھ لے کر جاؤ ۔" ایک اور آواز اُبھری اور اسی عمر کا ایک شخص کھڑا ہو گیا ۔

"ٹھیک ہے ۔ تم بھی آؤ ظاہر نسیم ۔"

وہ دونوں اندر کی طرف بڑھتے چلے گئے ۔ باقی لوگ پہلے تو انہیں دیکھتے رہے ، پھر زور زور سے ہنسنے لگے ۔ ایسے میں خاور شرکانی ان کے نزدیک آ گئے ۔ انھوں نے پریشان آواز میں کہا :

"یہ ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

"ہماری اُمیدوں کے بالکل اُلٹ ۔ آپ کے مہمان بہت دلیر ہیں ۔ انھوں نے ہماری بات پر کوئی توجہ نہیں دی ۔"

"کیا آپ لوگ واقعی سنجیدہ ہیں ۔ یہاں خطرہ ہے ۔"

"ہاں بالکل ۔ بم پھٹنے والا ہے ۔"

"ارے باپ رے ۔ اب کیا ہو گا ۔"

"ان لوگوں کو سمجھا کر اندر لے جائیں ۔" فرزانہ نے مشورہ دیا ـــ

"اچھی بات ہے ۔ کوشش کرتا ہوں ۔" انھوں نے کہا اور بلند

آواز میں بولے:

"میرے عزیز دوستو! ہو سکتا ہے۔ یہاں قطعاً کوئی خطرہ نہ ہو۔ لیکن خطرہ ہو بھی سکتا ہے۔ اور اس صورت میں ہم شدید نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے کیوں نہ سب لوگ اندر چل کر تقریب شروع کریں۔"

"نن۔ ہم ایسے وہموں کے عادی نہیں ہیں۔"

"مان جائیں۔ میری بات مان جائیں۔"

"شرکانی۔ اگر تم اتنے ہی بزدل ہو تو تم بھی چلے جاؤ۔ ان چار کے پیچھے۔ ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔" کسی نے کہا۔

"یہ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ کے لیے میری بات مان لیں۔"

"شرکانی کے منہ پر اللہ کا نام۔ یہ بھی اللہ کی قدرت ہے، خیر بھئی۔ اب تو میں ضرور اندر جاؤں گا۔" ایک لمبے چوڑے قد کے آدمی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ مسٹر روبن جا۔"

"ٹھہرو۔ مسٹر روبن جا۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" ایک اور آواز ابھری۔

"یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ تو ایک ایک کرکے سب

کھسکنے لگے۔ گویا خطرے کا چور سب کے دلوں میں گھر کر چکا ہے۔" خاور شرکانی مسکرائے۔

"آؤ۔ راحت بھائی۔ جلدی کرو۔" روبن جا نے اس سے کہا جو اس کے ساتھ جانے کے لیے اٹھا تھا۔

وہ دونوں بھی اندر چلے گئے۔ پھر تو ایک ایک کرکے سب اٹھنے لگے۔ یہاں تک کہ باغ میں خاور شرکانی اور وہ تینوں رہ گئے۔

"اب ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"ہاں! ہم بھی اندر چلیں گے۔ لیکن پہلے آپ جائیں۔ ہم آپ کے بھی بعد میں آئیں گے۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیوں۔ اب کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی آپ ہمارے ارادے نہ پوچھیں۔ آپ کے پاس مہمانوں کی فہرست تو ہوگی؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"کیا فہرست کے مطابق تمام مہمان آ چکے ہیں؟"

"بالکل! سوائے انسپکٹر جمشید کے۔" وہ بولے۔

"شکریہ۔ آپ فوراً اندر چلیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے آپ تینوں میری سمجھ میں نہیں

آ گئے۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ ہم میں ایسی کون سی بات ہے؟"

"پپ۔ پتا نہیں۔ خیر۔ پھر باتیں ہوں گی۔ میں چلا۔"
یہ کہہ کر وہ بھی تیز تیز قدم اُٹھاتے اندر کی طرف چلے گئے۔

"اب ہم یہاں کیوں رُک گئے ہیں۔ سب کو تو اندر بھیج دیا۔ اور خود کیا ڈائنا میٹ کا استقبال کرنے کے لیے رُکے ہیں؟" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ آؤ۔ چلو فرزانہ۔ تم بھی۔" محمود نے اسے اشارہ کیا۔

بیس منٹ بعد وہ بھی اندر داخل ہوئے۔ اور مہمانوں میں شامل ہو گئے۔ ایسے میں کسی کی نظر ان پر پڑ گئی:

"بھئی وہ۔ آپ کا بم نہیں پھٹا۔"

"پھٹ جائے گا جناب۔ ایسی کیا جلدی ہے؟" فاروق بولا۔

"آپ لوگوں نے ہم سب کو بلا وجہ پریشان کیا۔" کاشر رضوی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نے سُنا ہے۔ یہ جہاں بھی جاتے ہیں، دوسروں کو پریشان ہی کرتے ہیں۔" ظاہر نسیم بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ جہاں جاتے ہیں، دوسروں کی

خدمت کرتے ہیں۔ اور اکثر انہیں عجیب و غریب مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔" خان رحمان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اوہو۔ تو ان کے ہمدرد بھی موجود ہیں یہاں۔"

"بالکل ہیں جناب۔ آپ کو اعتراض ہے کیا؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"ایک منٹ جناب۔ میرا خیال ہے۔ گفت گو ناخوش گوار ہوتی جا رہی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اس موضوع کو یہیں ختم کر دیں۔" خاور شرکانی نے دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن بم کیوں نہیں پھٹا؟" راحت بھائی بولے۔

"اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ وہ نہیں پھٹا۔" خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

"بیٹھے بٹھائے بم پھٹ بھی کس طرح سکتا تھا۔ اس کا دماغ تو چل نہیں گیا۔" روبن جا کی آواز سُنائی دی۔

"کس کا۔ بم کا دماغ۔" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

محمود اور فرزانہ نے بُرے بُرے منہ بنائے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے۔ فاروق نے یہ الفاظ کیوں کہے ہیں۔

"ہاں! اور کیا آپ کا؟" راحت بھائی نے چونک کر کہا۔

"ہم بڑوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانا کرتے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" ایک اور آواز اُبھری۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ادھر دیکھا۔ عجیب سے حلیے کا ایک آدمی انہیں تعریف کے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ لمبا قد، سڈول جسم، لیکن مونچھیں عجیب سی۔ دائیں گال پر اُبھرا ہوا تل۔

"آپ کی تعریف؟" محمود نے منہ بنایا۔

"تعریف اس اللہ کی، کیوں کہ سب تعریفیں اسی ایک اللہ کے لیے ہیں۔ جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔"

"بہت خوب۔ یہ بات تو ہے۔ چلیے اپنا نام بتا دیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے۔" اس نے کہا۔

"نہ بتانے میں کیا رکھا ہے۔"

"اوہو۔ بڑے حاضر جواب ہو۔ بہت خوب۔ بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ میرا نام انور شمو ہے۔"

"ہاں! یہ مسٹر انور شمو ہیں۔ بہت زندہ دل۔" خاور شرکانی فوراً بولے۔

"میں نے سوال اُٹھایا تھا کہ بم کیوں نہیں پھٹا۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے بم کی طرف ہوائی چھوڑی

تھی۔" راحت بھائی نے بلند آواز میں کہا۔

"جی نہیں۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔" فاروق گنگنایا۔

"ضرور ان لوگوں کو وہم ہوا تھا اور اب یہ ادھر اُدھر کی ہانک رہے ہیں۔" ایک مہمان بولا۔

"دیکھیے جناب۔ ہم بھی یہاں مہمان ہیں۔ اور وہ بھی بن بلائے نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ الفاظ کا استعمال سوچ سمجھ کر کریں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ بڑوں کی بات کا بُرا نہیں مانتے۔" انور شمو ہنسا۔

"اوہ واقعی۔ ہم سے غلطی ہوئی۔ مسٹر۔ نام ہمیں آپ کا معلوم نہیں۔ بہرحال۔ آپ کا جو نام بھی ہے۔ ہمیں معاف کر دیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"میں ریاض جھولو ہوں۔ میں نے تم لوگوں کو معاف کیا۔" اس نے کہا۔

"میں کہہ رہا ہوں۔ بم کیوں نہیں پھٹا؟"

"اس لیے کہ۔" محمود نے ڈرامائی انداز میں کہا اور پھر رک گیا۔

"اس لیے کہ کیا؟" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"اس لیے کہ ہم نے اسے پھٹنے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ ورنہ وہ ضرور پھٹتا۔ اور عمارت کے اندر بھی آپ لوگ محفوظ نہ رہتے۔ بم کا اثر یہاں بھی آتا۔ سب کو تھوڑا بہت نقصان ضرور پہنچتا۔ اور اگر سب لوگ باغ میں رہ جاتے تو پھر نہ جانے کتنے مارے جاتے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"ن۔ نہیں۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں تو آیئے ہمارے ساتھ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

وہ سب یک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب سب پر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ وہ باہر نکلے۔ باغ میں آئے۔ اور پھر انھوں نے ایک گھنے درخت کے تنے کے ساتھ زمین میں دفن ٹائم بم انھیں دکھا دیا۔

"اس پر وقت سیٹ کیا جا چکا تھا۔ ہم نے اس کا سراغ لگا کر اسے بے کار کر دیا۔ اس لیے یہ نہیں پھٹ سکا۔" فاروق نے بتایا۔

بم دیکھ کر ان سب کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا، پھر ماسٹر رضوی نے کہا:

"آخر کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم سب سے اس کو بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔" خاور شرکائی بڑبڑائے۔

"اور وہ اس وقت بتائے گا۔ جب ہم یہ جان لیں کہ وہ کون ہے۔" انور شمشو بولا۔

"بھلا ہم یہ کس طرح جان سکتے ہیں۔"

"سراغ رسانی کے ذریعے۔ اور اتفاق سے یہاں تین ماہر سراغ رساں موجود ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"کیا آپ کا اشارہ ان تینوں کی طرف ہے مسٹر خان رحمان؟" انور شمشو نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں جناب۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں اور ایسے کاموں کے بہت ماہر ہیں۔"

"لیکن انکل۔ ہم یہ کام نہیں کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے، جب سب لوگ تعاون کرنے پر تیار ہوں، اگر ایک فرد بھی تیار نہیں تو پھر ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ خاور شرکائی صاحب پولیس کو فون کر سکتے ہیں۔ پولیس والے تفتیش کرتے رہیں گے۔"

"میرے خیال میں تو پولیس کو بلانے سے یہ بہتر ہے کہ آپ سے تفتیش کروا لی جائے۔" خاور شرکائی جلدی سے بولے۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم مجرم کو

چھوڑ دیں گے ۔ مجرم کو قانون کے حوالے کرنا ہوگا، چاہے وہ کوئی بھی ہو ، کیوں کہ اس نے بہرحال بہت سے لوگوں کی جانیں لینے کی کوشش کی ہے ۔ اس نے یہ کوشش کیوں کی ہے ۔ یہ ابھی ہمیں نہیں معلوم ۔" محمود نے جلدی جلدی کہا ۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ کہیں یہ بم خود انھوں نے تو اس جگہ دفن نہیں کیا تھا ۔" راحت بھائی نے خیال ظاہر کیا ۔

"کیوں ۔ ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ دوسرے یہ کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے آپ کے پاس ۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا ۔

"سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بم کے امکان کی طرف تم لوگوں نے ہی توجہ دلائی تھی ۔" ریاض بھوپو نے کہا ۔

"اور پھر ہم نے ہی اسے تلاش کرکے بے کار کر دیا ۔ پھر بھی الزام ہم پر لگایا جا رہا ہے ۔ بھئی واہ ۔ کیا خوب ۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

ریاض بھوپو شرمندہ ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا ۔

"پھر بھی اندر داخل ہوتے ہی آپ لوگوں کو خطرے کی بو کس طرح محسوس ہو گئی تھی ؟"

"یہ ہمارا روز کا معمول ہے ۔ دراصل میرے کانوں نے

ایک بہت ہلکی سی ٹک ٹک کی آواز سن لی تھی ۔ اور ایسی آواز سُننے کے بعد یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ میرے کان کھڑے نہ ہوں ۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا ۔

"خیر ۔ اس کی ذمّے داری میں لیتا ہوں کہ سب لوگ آپ کا ساتھ دیں گے ۔ بھرپور تعاون کریں گے ۔" خاور شرکانی بولے ۔

"پہلے آپ اپنے مہمانوں سے پُوچھ لیں ۔"

"آخر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے ۔ بم ہم نے تو رکھا نہیں تھا ۔" ایک مہمان نے چلّا کر کہا ۔

"یہی تو بات ہے ۔ بم ضرور کسی ایک مہمان نے یہاں چھپایا تھا ۔"

"یہ ۔ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں ؟" خاور شرکانی نے ہکلا کر کہا ۔

"اس طرح کہ مہمانوں کے علاوہ آپ ، آپ کے گھر کے افراد اور آپ کے ملازم بچ جاتے ہیں ۔ اگر یہ کام کسی مہمان کا نہیں تو پھر آپ لوگوں میں سے کسی کا ہوگا ۔ اس صورت میں یہ بات مان لیں ۔" محمود مسکرایا ۔

"ارے باپ رے ۔ یہ بات کس طرح مان لیں ۔" خاور شرکانی گھبرا گئے ۔

"تب پھر آپ کو دوسری بات ماننا ہو گی۔ ورنہ پھر آپ ہی بتائیں۔ یہ کام کس کا ہو سکتا ہے؟"

"باہر کے کسی آدمی کا۔" انور شمو نے فوراً کہا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" خاور شرکانی نے چلّا کر کہا۔

"جی کیا مطلب۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"میرا ایک اصول ہے۔ جب اس دعوت کا انتظام شروع کرتا ہوں تو باہر کے کسی آدمی کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ صرف اور صرف گھر کے ملازم ہر کام کرتے ہیں۔" خاور شرکانی نے بتایا۔

"تب پھر۔ آپ کے گھر کے ملازمین کو بھی چیک کرنا ہو گا۔" محمود بولا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ اجازت ہے۔" خاور شرکانی بولے۔

"آپ کے مہمانوں کو آج رات یہیں رُکنا ہو گا۔" محمود نے دوسری شرط سنائی۔

"کیوں صاحبان۔ کسی کو کوئی اعتراض؟" خاور شرکانی نے سب کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ ہم یہیں ٹھہریں گے۔ ہم بھی جاننا چاہتے ہیں کہ زہر کس نے رکھا تھا۔ وہ کون ہے۔ جو ہم سب کا دشمن ہے۔

اور کیوں۔" کاشر رضوی بولے۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔ پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو لیا جائے۔ اس کے بعد ہم ان تینوں سراغرسانوں کی ہدایات کے پابند ہو جائیں گے۔ ویسے کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس وقت یہاں انسپکٹر جمشید ہوتے۔" خاور شرکانی نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"شرکانی صاحب۔ ہم آپ سے ایک سوال پوچھ سکتے ہیں؟" فاروق نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"پہلے آپ نے کبھی اس دعوت میں نہیں بلایا تھا۔ لیکن اس مرتبہ ہمارا خیال کس طرح آ گیا؟" فاروق نے پوچھا۔

انھیں یُوں لگا جیسے ایک لمحے کے لیے خاور شرکانی کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے ہوں۔ اور پھر غائب ہو گئے ہوں۔

دوسرے ہی لمحے انھوں نے کہا۔

"پہلے کبھی آپ لوگوں کا خیال نہیں آیا۔ اس مرتبہ آ گیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

انھوں نے خاور شرکانی کے چہرے پر جھوٹ صاف

پڑھ لیا۔ گویا ان لوگوں کو کسی اور غرض سے بُلایا گیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی محمود نے خاور شَرکانی سے کہا :

"مسٹر شرکانی۔ ہمارے ساتھ ایک الگ کمرے میں چلیے۔"

کُتّا

"ہاں ! اب بتائیں۔ کیا بات ہے؟" الگ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خاور شَرکانی بولے۔

"آپ نے اس بار ہم لوگوں کو دعوت کیوں دی۔ اور وہ بھی آج ہی ؟"

"مَیں بتا تو چکا ہوں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم آپ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب ؟" وہ چونکے۔

"بات یہ نہیں۔ کوئی اور ہے"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ۔ کہ مَیں نے جھوٹ بولا ہے۔" خاور شرکانی نے منہ بنایا۔

"ہمیں افسوس ہے۔ ہمارا مطلب یہی ہے۔"

"میرے گھر میں مجھ پر ہی الزام۔ آپ لوگ ابھی اور اسی

وقت یہاں سے چلے جایئے۔" خاور شرکانی نے جھنا کر کہا۔

"افسوس! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"کیا مطلب؟" انھوں نے تنک کر کہا۔

"یہاں ایک جرم ہو چکا ہے۔ کسی نے ٹائم بم لگا دیا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو نہ جانے کس قدر جانی نقصان ہوتا۔ ہمیں اس شخص کو گرفتار کرنا ہو گا۔ اور ایسا کیے بغیر ہم نہیں جائیں گے۔"

"یہ میری مرضی کی بات ہے۔ میں اس معاملے کی تفتیش کراؤں یا نہ کراؤں" خاور شرکانی نے منہ بنایا۔

"اگر بم نہ ملتا تو اس صورت میں آپ یہ بات کر سکتے تھے۔ اب نہیں۔"

چند سیکنڈ تک خاور شرکانی انھیں گھورتے رہے، آخر تھکی تھکی آواز میں بولے:

"ہاں! آپ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ میں بلا وجہ غصے میں آ گیا تھا۔ آپ تفتیش ضرور کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"تب پھر ہمارے سوال کا جواب دیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کک۔ کون سے سوال کا؟" وہ جلدی سے بولے۔

"ہمیں دعوت کیوں دی گئی؟"

"ہوں۔ آیئے۔ میں آپ کو ساری بات بتاتا ہوں۔ آپ کو میرے کمرے میں چلنا ہو گا۔" خاور شرکانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جہاں جی چاہے، لے جائیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

وہ انھیں لے کر ایک اور کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ قیمتی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک الماری کے پٹ کھولے اور پھر ان کے منہ سے نکلا:

"ارے۔ یہ کیا۔"

"کیا ہوا جناب؟"

"وہ۔ وہ غائب ہیں۔" وہ بولے۔ اب آنکھوں سے خوف ٹپک رہا تھا۔

"کیا غائب ہیں۔ ان کا کوئی نام تو ہو گا۔"

"وہ۔ وہ خطوط۔ جو اس دعوت سے پہلے مجھے ملتے رہے ہیں، ایک خط روز ملتا رہا ہے۔"

"مہربانی فرما کر پوری بات بتایئے۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

وہ ایک کرسی میں ڈھیر ہو گئے۔ یہ تینوں بھی مسہری کے سرے پر ٹک گئے۔

"آج سے پندرہ دن پہلے ایک خط مجھے ملا۔ وہ خط کسی

گمنام آدمی کی طرف سے ملا تھا۔ اس نے اپنا نام اور پتا نہیں لکھا تھا۔ خط میں صرف یہ الفاظ تھے :

"پندرہ دن بعد تم جو سالانہ دعوت دینے والے ہو، اس کا پروگرام کینسل کر دو۔ ورنہ بہت نقصان میں رہو گے۔"

میں نے اس خط کو کئی بار پڑھا۔ مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ کہ آخر وہ کون ہے۔ جو ایسا چاہتا ہے ۔ اور اس سے عجیب بات یہ کہ کیوں چاہتا ہے۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اور میں نے یہی خیال کیا کہ یہ ضرور کسی دوست کا مذاق ہے ۔ لیکن دُوسرے دن پھر ایسا ہی ایک خط اور ملا ۔ اس میں پھر وُہی الفاظ تھے۔ لیکن پندرہ کی بجائے چودہ دن بعد لکھا تھا ۔ میری اُلجھن میں اضافہ ہو گیا ۔ ادھر میں دعوت کی تیاری میں مصروف تھا۔ دعوت کو کینسل نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ دعوت نامے ایک ماہ پہلے جاری کر چکا تھا۔ آج میں نے فیصلہ کیا کہ اس دعوت میں آپ لوگوں کو بلایا جائے۔ آپ لوگ ہونے والی گڑبڑ کو روک لیں گے۔ بس اس لیے میں نے آپ لوگوں کو دعوت دے ڈالی۔"

"ہُوں ! چلیے۔ یہ بات تو ہو گئی صاف۔ اور اب آپ

یہ فرما رہے ہیں کہ وُہ خطوط غائب ہیں۔"

"ہاں ! یہی بات ہے۔"

"وُہ آپ نے اس الماری میں رکھے تھے۔ الماری کو تالا کیوں نہیں لگایا۔"

"مَیں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وُہ خطوط بھی کوئی اڑا سکتا ہے۔"

"کیا وُہ ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے؟"

"ہاں بالکل۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"وُہ ڈاک کے ذریعے آپ کو ملتے رہے یا کسی اور ذریعے سے؟" محمود نے پُوچھا۔

"صبح سویرے مَیں سیر کے لیے جاتا ہُوں۔ پہلا لفافہ مجھے گیٹ کے اندر پڑا ملا تھا۔ باقی بھی اسی طرح ملے۔"

"گویا وُہ شخص خود لفافہ ڈال کر جاتا رہا ہے۔ اور آپ نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وُہ کون ہے؟"

"نہیں۔ مَیں نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔" وُہ بولے۔

"آپ ایک بار پھر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں جناب اور یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" محمود نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔"

"جب دُوسرا لفافہ بھی آپ کو گیٹ کے اس طرف پڑا ملا ہوگا تو قدرتی بات ہے کہ آپ کو یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ آخر وُہ کون ہے۔ جو لفافہ پھینک جاتا ہے۔ لہٰذا آپ نے ایک رات جاگ کر گزارنے کا فیصلہ ضرور کیا ہوگا۔ یا کم از کم کسی کی ڈیوٹی ہی لگائی ہوگی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہُوں؟"

یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہوگیا۔ خاور شرکانی نے کوئی جواب نہ دیا، آخر فاروق سے رہا نہ گیا:

"خیر تو ہے جناب۔ آپ بولنا بھول تو نہیں گئے؟"

"نن۔ نہیں۔ آپ لوگوں بہت عقل مند ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن ہم نے یہ کب پُوچھا ہے کہ ہم عقل مند ہیں یا بے وقوف؟"

"ہُوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں واقعی ایک رات جاگا تھا، لیکن افسوس۔ میں خط پھینکنے والے کو پکڑ نہیں سکا۔"

"وُہ کیوں۔ جناب؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"اس لیے کہ وُہ ایک کُتّا تھا۔ بہت خوف ناک سیاہ رنگ کا کُتّا۔ میں اس کُتّے کو دیکھ کر ڈر گیا اور حرکت نہ کر سکا۔ کُتّے نے ایک اونچی چھلانگ لگائی۔ اور منہ میں تھاما

ہوا لفافہ اندر کی طرف گرا دیا۔ پھر اس نے ایک اور چھلانگ لگائی۔ اور گولی کی طرح نظروں سے اوجھل ہوگیا۔"

"اوہ۔ اور اگلی رات"

"پھر میں نہیں جاگا۔"

"کیوں۔ آپ کار وغیرہ میں بیٹھ کر اس کُتّے کا تعاقب کر سکتے تھے اور یہ سُراغ لگا سکتے تھے کہ وُہ کس کا کُتّا ہے، یا کم از کم کسی پرائیویٹ جاسوس کے ذمے ہی یہ کام لگا سکتے تھے۔ اگر یہ بھی نہیں تو کسی پولیس افسر کو ساری بات بتا سکتے تھے۔ آخر آپ نے ایسا کوئی قدم کیوں نہیں اُٹھایا؟"

"اس لیے کہ میں چاہتا تھا۔ دعوت بغیر کسی خوف اور ڈر کے ہو جائے۔ اگر مہمانوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی گڑبڑ کا امکان ہے تو ہرگز نہ آتے۔ کیوں کہ میرے ہاں تمام بڑے بڑے سرکاری آفیسر اور غیر سرکاری بڑے آدمی آتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب آپ کا کہنا یہ ہے کہ الماری سے وُہ خطوط غائب ہیں۔ آپ کو کم از کم اس الماری کو تالا تو لگانا چاہیے تھا۔"

"بس کیا بتاؤں۔ ہوگئی غلطی۔" انھوں نے کہا۔

"آپ کے دوستوں میں سے کُتّے پالنے کا شوقین کون ہے؟"

"میں جانتا تھا۔ آپ یہ سوال ضرور کریں گے۔ میرے دوستوں میں سے واقعی ایک کُتّے پالنے کا شوقین ہے، لیکن وہ کُتّا میں نے اس کے پاس کبھی بھی نہیں دیکھا۔"

"اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسا کُتّا رکھنے کے لیے الگ یا خفیہ جگہ بنائی جا سکتی ہے۔ آپ اپنے اس دوست کا نام بتائیں۔"

"وہ میرے بہت ہی مخلص دوست ہیں۔ ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔" وہ بولے۔

"ضروری نہیں کہ کام ان کا ہی ہو، لیکن ہمیں امکانات کا جائزہ تو لینا ہوگا۔ لہٰذا آپ فکرمند نہ ہوں۔ ہم بہت غیر محسوس طور پر یہ کام کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میرے اس دوست کا نام راحت بھائی ہے۔"

"اوہ۔ راحت بھائی۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیوں۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوئی؟"

"ہاں! یہ وہ چھٹے آدمی ہیں۔ جو باغ میں سے عمارت کے اندر آئے تھے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے بعد کاشر رضوی خوف زدہ ہو کر اندر کی طرف چلے تھے۔ پھر ان کا ساتھ ظاہر نسیم نے دیا تھا۔ پانچویں مہمان دوبن جا تھے۔

اور ان کے بعد راحت بھائی اُٹھے تھے۔ پھر تو سبھی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔"

"حیرت ہے۔ آپ نے یہ سب باتیں نوٹ کیں۔ مجھے تو خیال تک نہیں آیا ایسا۔"

"ہمارا دن رات کا کام ہی یہ ہے۔ خیر۔ تو آپ کے دوست راحت بھائی کُتّے پالنے کے شوقین ہیں۔"

"ہاں بالکل۔"

"ان کے پاس کل کتنے کُتّے ہیں؟"

"پندرہ کے قریب۔ انھوں نے ان کے لیے اپنی کوٹھی کے پچھلے حصے میں ایک باڑہ بنا رکھا ہے۔ وہ اس باڑے میں رہتے ہیں۔ وہیں انھیں کھانا اور پانی دیا جاتا ہے۔ باڑے کے دروازے پر ہر وقت تالا لگا رہتا ہے، کیوں کہ کُتّے بہت خطرناک ہیں۔ گھر کے لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ کوئی اور ان کے نزدیک نہیں پھٹک سکتا۔"

"اور وہ سیاہ رنگ کا کُتّا۔ ان کُتّوں میں نہیں ہے۔ جو خط پھینکنے آیا تھا؟"

"نہیں۔ میں ان پندرہ کے پندرہ کُتّوں کو پہچانتا ہوں۔"

"ایک بات عجیب سی ہے۔ ویسے اس معاملے سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ فرزانہ نے بڑبڑانے کے

انداز میں کہا۔

"کون سی بات؟"

"راحت بھائی کے پاس پندرہ کتے ہیں۔ اور آپ کو دعوت کینسل کرنے کے لیے خطوط بھی پندرہ دن پہلے شروع کیے گئے۔"

فرزانہ بولی۔

"میرے خیال میں تو اس بات کا معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔" وہ بولے۔

"میں یہ بات پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔ کیا راحت بھائی کتوں کو سدھارنے کے بھی ماہر ہیں؟"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"راحت بھائی کاروبار کیا کرتے ہیں؟"

"ان کی زمینیں ہیں۔"

"گویا آپ سے انھیں کوئی کاروباری رنجش بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ تو کارخانے دار اور ٹھیکے دار ہیں۔"

"ہاں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اب سوال یہ ہے کہ خطوط یہاں سے کس نے چرائے۔ کیا کوئی مہمان اس طرف آ سکتا ہے؟"

"سب لوگوں نے جب اندر کا رخ کیا تھا۔ اس وقت کوئی میرے کمرے میں آیا ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کمرے

کا دروازہ کھلا تھا اور الماری کو بھی تالا نہیں لگا ہوا تھا۔"

"ہوں۔ تب یہ کام ضرور اس وقت ہی کیا گیا۔ لیکن ایسا صرف وہی آدمی کر سکتا ہے۔ جو اس گھر سے پوری طرح واقف ہو۔ کیا دعوت میں شریک سب لوگ آپ کے گھر سے اچھی طرح واقف ہیں؟"

"جی نہیں۔ صرف قریبی دوست واقف ہو سکتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ مہربانی فرما کر ان قریبی دوستوں کے نام لکھوا دیں۔"

"چار نام آپ کے سامنے آ ہی چکے ہیں۔ کاشر رضوی۔ ناہر فہیم، روبن جا، راحت بھائی۔ اور ریاض بھولو کو بھی شامل کر لیں۔"

"شکریہ۔ ایک نام اور ہمارے سامنے آ چکا ہے۔ انور شنٹو۔"

"ہاں! مسٹر انور شنٹو ہمارے اچھے دوست ضرور ہیں، لیکن میرے ہاں آنا جانا نہیں ہے ان کا۔"

"شکریہ۔ اب ہم پہلی فرصت میں راحت بھائی سے ملاقات کریں گے۔ آپ تشریف لے جائیں۔ اور راحت بھائی کو یہاں بھیج دیں۔"

"کہیں معاملہ گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ بُرا نہ مان جائیں۔"

"بُرا ماننے والی تو اب کوئی بات نہیں رہ گئی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

خاور شرکائی اُٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

"ہاں بھئی۔ اس سے پہلے کہ راحت بھائی اندر داخل ہوں۔ کوئی رائے اس وقت تک کے حالات کے بارے میں قائم کر لی جائے۔"

"معاملہ حد درجے پُر اسرار ہے۔ کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس سال خاور شرکائی دعوت نہ دیں۔ اس غرض کے لیے اس نے خطوط ارسال کرنا شروع کیے۔ ان کے لیے اور بھی عجیب طریقہ اختیار کیا گیا۔ خطوط کتّے کے ذریعے بھیجے گئے۔ کتّوں کے شوقین ان کے دوستوں میں صرف راحت بھائی ہیں۔ اور اب راحت بھائی یہاں آنے والے ہیں۔"

"سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا کیوں چاہتا ہے۔ یہاں دعوت ہو جانے سے اسے کیا تکلیف ہے۔"

"اور اس سے بھی بڑا سوال یہ کہ وہ ہے کون۔ اور پھر یہ کہ اس نے ٹائم بم آخر اس درخت کے پاس زمین میں دفن کس طرح کر دیا۔ اور کس وقت کیا؟" فاروق نے

جلدی سے کہا۔

"کک۔ کتّے۔" فرزانہ ہکلائی۔

"اے خبردار۔ کیا۔ تم نے مجھے کتّا کہا ہے۔" فاروق نے بھنّا کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ بھلا میں اپنے بڑے بھائی کو ایسا کہہ سکتی ہوں۔"

"تب پھر تمھارے منہ سے لفظ کتّے کیوں نکلا۔"

"مجھے ایک خیال آیا تھا۔ یہ کہ کہیں وہ بم دفن کرنے کا کام بھی کتّے کے ذریعے نہ لیا گیا ہو۔ اور رات کو ہی نہ کر لیا ہو۔"

"اوہ۔ یہ عین ممکن ہے۔ کتّے کو سدھایا جا سکتا ہے۔ اور یہ ہم پہلے ہی سن چکے ہیں کہ کتّا خطوط یہاں پہنچاتا رہا ہے۔"

"بات دل کو لگتی ہے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ ہے کہ وہ ہے کون؟"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور راحت بھائی اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر ناخوش گوار آثار تھے۔ چند سیکنڈ تک وہ انھیں گھورتے رہے، پھر بولے:

"ہاں! آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"کک۔ کک۔" فاروق ہکلا کر رہ گیا۔

"ک ک۔ کیا۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔
"کتّے!" فاروق بولا۔
"کتّے۔ کیا مطلب۔ آپ۔ آپ نے مجھے کتّا کہا؟"
راحت بھائی بھڑک کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔
عین اسی وقت دروازے پر ایک آواز اُبھری۔

چائے

"چائے حاضر ہے جناب۔"
انھوں نے جلدی سے دروازے کی طرف دیکھا۔ خاور شرکانی کا ایک مُلازم چائے کی ٹرے لیے، اجازت طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اندر داخل ہو گیا اور چائے کی ٹرے رکھ کر باہر کی طرف جانے لگا۔
"آپ سے کس نے چائے کے لیے کہا تھا؟"
"کسی نے بھی نہیں۔ تمام مہمانوں کو اس وقت چائے پیش کی جا رہی ہے۔" اس نے مُڑتے ہوئے جواب دیا۔
"اوہ اچھا!"
مُلازم چلا گیا۔ اور وہ پھر راحت بھائی کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"آپ بالکل غلط سمجھے۔ ہم بھلا آپ کی شان میں ایسا لفظ کر سکتے ہیں۔ ہم بات کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ خیر۔ اب

وہ بات پھر کریں گے۔ آپ کو غصّہ آ گیا، اس لیے آ گئے۔ پہلے چائے پی لیں۔"

"ہُوں ٹھیک ہے۔" راحت بھائی نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

محمود چائے کے برتن سیدھے کرنے لگا۔ عین اسی وقت انھوں نے ایک چہکتی آواز سُنی:

"اوہو۔ یہاں تو چائے اڑائی جا رہی ہے۔"

انھوں نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ان کے منہ بن گئے۔ وہاں انور شمو کھڑا تھا۔ اور کھڑا کیا تھا۔ جھوم رہا تھا۔ پھر وہ جھومتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"مسٹر انور شمو! ہم مصروف ہیں" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"چائے ہی تو پی رہے ہیں۔ ایک کپ میں بھی پی لوں گا۔"

"تمام مہمانوں کو چائے پیش کی جا رہی ہے۔"

"تو کیا ہوا۔"

اتنے میں وہ ان کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ نزدیک پہنچتے ہی وہ لڑکھڑا گیا۔ اور پھر سنبھل بھی نہ سکا۔ اس میز سے ٹکرایا۔ جس پر چائے کے برتن رکھے تھے۔ میز اُلٹ

گئی۔ خود انور شمو بھی دھڑام سے گرا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا:

"ارے مرا۔ اتنی گرم چائے میرے پاؤں پر گر پڑی۔" وہ اُٹھ کر ایک پیر پر ناچنے لگا۔

"مسٹر شمو۔ آپ نے آج نشہ تو نہیں کر رکھا۔" راحت بھائی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"توبہ کیجیے مسٹر راحت بھائی۔ میں نے تو زندگی میں کبھی نشے کی صورت بھی نہیں دیکھی۔" اس نے ناچتے ہوئے کہا۔

"تب پھر آپ لڑکھڑا کیوں رہے تھے۔" محمود بولا۔

"لڑکھڑانے کی بھی ایک ہی کہی۔ میں لڑکھڑا نہیں رہا تھا۔ میرے پاؤں میں موچ سی آ گئی ہے۔ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ آپ اسے لڑکھڑاہٹ خیال کر بیٹھے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

راحت بھائی نے میز کے پائے میں لگا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی مُلازم اندر داخل ہوا۔ یہ وہی تھا جو چائے لے کر آیا تھا۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"یہ کیا ہوا جناب۔"

"مسٹر انور شمو لڑکھڑا گئے تھے۔ میز الٹ گئی۔ تم دوسری چائے لے آؤ۔" راحت بھائی نے کہا۔

"جی بہتر۔ پہلے کمرے کا فرش تو صاف کر دوں۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔"

ابھی وہ برتن اُٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ ایک سفید رنگ کی بلی تیر کی طرح اندر آئی اور فرش پر پھیل جانے والے دودھ کی طرف جھپٹی۔ ملازم نے جو بلی کو دیکھا تو گھبرا گیا اور اس کی طرف جھپٹا۔ اس کے ایک دھپ رسید کی۔ بلی دور لڑھک گئی۔ لیکن پھر سنبھل کر دودھ کی طرف بڑھی۔ ملازم نے پھر اسے ایک عدد دھپ رسید کیا۔ اب تو فرزانہ سے رہا نہ گیا:

"پی لینے دو بھئی۔ تمہارا کیا نقصان ہے۔"

"آپ نہیں جانتے۔" وہ بولا۔

"کیا نہیں جانتے؟"

"یہ شیرکانی صاحب کی پالتو بلی ہے۔ اسے ہمیشہ صاف ستھری خوراک دی جاتی ہے۔ اور فرش پر بہہ جانے والا دودھ صاف ستھرا نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔"

ادھر بلی ایک بار پھر دودھ کی طرف لپک چکی تھی۔ ملازم پھر اس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ دھڑام سے منہ کے بل گرا۔ جھلا کر اُٹھا تو انور شمو کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولا:

"یہ آپ نے کیا کیا جناب؟"

"میں نے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ تمہیں دیکھ کر چلنا چاہیے۔ اندھا دھند انداز میں آگے بڑھے اور میری ٹانگوں سے اُلجھ گئے۔ اس میں میرا کیا قصور۔" انور شمو نے اسے گھورا۔

"ارے۔ وہ۔ وہ دودھ پی گئی۔" ملازم چلایا۔

"چلو۔ کون سی قیامت آ جائے گی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

اسی وقت ملازم نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے۔ کہاں جا رہے ہو بھئی۔ بلی کو بھی بھول گئے اور کمرے کے فرش کو بھی۔" محمود چلایا۔

"شاید باورچی خانے میں چولہے پر رکھی ہوئی کوئی چیز یاد آ گئی۔" راحت بھائی نے منہ بنایا۔

"ہاں واقعی۔ باورچی خانے میں دودھ چولہے پر رکھا ہوا ہے۔" انور شمو بول پڑا۔

"آپ کو کیا معلوم۔ آپ اس گھر کے ملازم تو نہیں ہیں۔" راحت بھائی بولا۔

"تو کیا ہوا۔ میں شیرکانی کا دوست تو ہوں۔ اور اس گھر سے واقف بھی ہوں۔"

"آپ نے کیا فرمایا۔ آپ اس گھر سے اچھی طرح واقف ہیں" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں! لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے مسٹر شرکانی کے بیان کے بالکل اُلٹ ایک بات کر دی ہے"

"اور وہ کیا؟"

"ان کا بیان ہے کہ آپ ان کے دوست ضرور ہیں۔ لیکن گھر میں آپ کا آنا جانا نہیں ہے"

"لیکن آج تو آ گیا ہوں۔ اور جب سے آیا ہوں۔ اندر کے حصے کو گھوم پھر کر دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا واقف ہو گیا ہوں۔ اگر گھوم پھر نہ رہا ہوتا۔ تو یہاں کیوں کر آ سکتا تھا — افسوس۔ چائے نہیں مل سکی"

"فکر نہ کریں۔ اور چائے آ جائے گی۔ ملازم اب چائے لے کر ہی آئے گا"

"اُمید تو نہیں" انور شمو نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ اُمید کیوں نہیں"

"وہ ہم سے بہت ناراض ہو کر گیا ہے"

عین اسی وقت انھوں نے بلی کی تیز چیخ سُنی۔ انھوں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ بلی بُری طرح تڑپ رہی تھی۔

"یہ — یہ — اسے کیا ہوا" انور شمو نے کانپ کر کہا۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف اُمڈ آیا۔

"حیران کن بات ہے" فاروق بولا۔

اب راحت بھائی بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے بلی کو دیکھ رہا تھا — اچانک وہ ساکت ہو گئی۔ اور کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

"ارے — یہ — یہ تو مر گئی" راحت بھائی نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! اور کیا کرتی بے چاری — اسے مر ہی جانا چاہیے تھا — دُنیا کی بے رحمی کب تک برداشت کرتی" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب"

"دیکھیے نا — تنگ دل ملازم نے بے چاری کو دو عدد دھپ رسید کر دیے — یہ صرف گرا ہوا دودھ ہی تو پی رہی تھی، اور کیا جرم کیا تھا اس نے — بس ان دو عدد دھپوں کا صدمہ برداشت نہیں کر سکی اور مر گئی" فاروق نے جلدی جلدی کہا —

"آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا جناب؟" راحت بھائی نے اسے گھورا۔

"کیوں۔ آپ کو یہ خیال کیوں کر گزرا؟" فاروق گھبرا گیا۔

"باتیں کچھ آپ ایسی ہی کر رہے ہیں۔"

"تب پھر۔ آپ ہی بتایئے۔ بلی کیوں مر گئی؟"

"یہ۔ یہ تو دیکھنا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے۔ اس دودھ میں زہر تھا۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! اسی لیے ملازم بلی کو پرے دھکیل رہا تھا۔ اگر بلی دودھ نہ پیتی تو زہر والا معاملہ پوشیدہ رہ جاتا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ بلی دودھ پینے لگ گئی ہے تو اس نے دوڑ لگا دی۔"

"ارے۔ تو کیا وہ فرار ہو گیا ہے؟" فرزاد چلائی۔

"اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ارے نہیں۔ وہ بے چارہ تو باورچی خانے میں ہو گا۔" انور شمو بولا۔

انھوں نے باورچی خانے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں چار پانچ ملازم کام میں مصروف تھے۔ لیکن وہ ملازم نظر نہ آیا۔

"وہ۔ وہ کہاں گیا۔" راحت بھائی چلائے۔

"کک۔ کون جناب؟" ملازم ایک ساتھ بولے۔

"وہ۔ تم لوگوں کا ساتھی۔ کالے مفلر والا۔"

"اچھا اچھا۔ آپ شادو کو پوچھ رہے ہیں۔ وہ جا چکا ہے جناب۔ اس کی دادی جان کا فون آیا تھا۔"

"دادی جان کا فون؟" فرزاد کے منہ سے نکلا۔

"ہاں جناب۔ اس کی دادی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔"

"وہ رہتا کہاں ہے؟" محمود بولا۔

"راج نگر۔ مکان نمبر تین سو بارہ۔"

"آؤ بھئی۔ جلدی کرو۔ وہ نکل نہ جائے۔"

تینوں باہر کی طرف بھاگے۔

"ارے ارے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا۔ شادو ان کی کوئی چیز لے کر بھاگا ہے؟" باورچی خانے کا ایک ملازم چلایا۔

"نہیں بھئی۔ یہ بات نہیں۔" انور شمو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز ابھری۔ خاور شرگانی اور کچھ دوسرے لوگ آتے دکھائی دیے۔

"خیر تو ہے۔ ہم نے بھاگ دوڑ کی کچھ آوازیں سُنی ہیں۔"

"آپ کی بلی اللہ کو پیاری ہو گئی۔" انور شمو بولا۔

"میری بلی ۔ ارے۔ پوسی کو کیا ہوا۔" شرکانی چلائے۔

"اپنے کمرے میں چل کر دیکھ لیں جناب۔" انور شمو نے کہا۔

سب لوگ کمرے کی طرف لپکے اور پھر اندر کا منظر دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔

"یہ کیا ہوا۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

راحت بھائی تفصیل بتانے لگا۔ اس کے خاموش ہونے پر خاور شرکانی نے کہا:

"آپ ۔ آپ کا مطلب ہے۔ اس دُودھ میں زہر تھا۔"

"ہاں ! شرکانی ۔ میں بال بال بچا۔ وُہ چائے میرے لیے لائی گئی تھی۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔" انور شمو نے کہا۔

"کیا مطلب ۔ میں نے کیا غلط کہا۔" راحت بھائی اس کی طرف اُلٹ پڑا۔

"وُہ چائے صرف آپ کے لیے نہیں لائی گئی تھی۔ بلکہ آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔"

"چلیے خیر۔ یہی سہی۔ لیکن آخر دُودھ میں زہر کیوں ملایا گیا۔ کسی کو کیا دشمنی تھی۔"

"میرا خیال ہے۔ اب آپ کو دیر نہیں کرنی چاہیے۔" انور شمو نے خاور شرکانی کی طرف دیکھا۔

"کس سلسلے میں ؟"

"پولیس کو فون کرنے میں۔ فوراً پولیس کو بُلائیں۔ اس معاملے کی سرکاری طور پر تفتیش کروائی جانی چاہیے۔"

"ہُوں ! مسٹر انور شمو۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

خاور شرکانی نے کہا اور فون کی طرف بڑھ گئے۔

کس کی کار

محمود، فاروق اور فرزانہ آندھی اور طوفان کی طرح راج نگر پہنچے۔ مکان نمبر تین سو بارہ تلاش کرنے میں انہیں چند منٹ لگے۔ اور پھر محمود نے بے تابانہ انداز میں دستک دی۔ دستک کے جواب میں فوراً قدموں کی آواز ابھری اور ایک عورت کی آواز سنائی دی:

"کک۔ کون؟"

"ہمیں مسٹر شادو سے ملنا ہے۔"

"وہ ابھی نہیں لوٹے۔ رات گئے گھر آتے ہیں۔" اندر سے آواز آئی۔

"کیوں۔ رات گئے کیوں آتے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"نادر شرکانی صاحب کے گھر ملازم ہیں۔ وہ بڑے آدمی ہیں۔ رات گئے ان کے کام ختم ہوتے ہیں۔"

"لیکن صبح پھر بھی تو کام شروع ہو جاتے ہیں۔"

"صبح کے لیے ملازم دوسرے ہیں۔ رات کے دوسرے۔"

"اوہ اچھا۔ تو وہ یہاں نہیں آئے؟"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ یہاں آچکے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" اندر سے چونک کر پوچھا گیا۔

"اس لیے کہ وہ اس وقت مسٹر نادر شرکانی صاحب کے ہاں نہیں ہیں۔"

"تب پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ وہ یہاں نہیں آئے۔"

"خیر۔ آپ دروازہ تو کھولیے۔"

"بھلا میں دروازہ کیوں کھولوں۔ جب کہ آپ میرے شوہر سے ملنے آئے ہیں۔ اور وہ گھر میں نہیں ہیں۔ جب ہوں گے، آپ اس وقت آئیے۔"

"آپ بھی ٹھیک کہتی ہیں۔ خیر۔ اب ہمیں پولیس کو بلانا پڑے گا۔"

"پولیس۔ کیا مطلب؟"

"ہم پولیس کے ذریعے دروازہ کھلوائیں گے اور اندر کی تلاشی لیں گے۔ جب تک پولیس نہیں آجاتی۔ ہم یہیں موجود

رہیں گے۔ اور چاروں طرف نظر رکھیں گے۔ مسٹر شادو کہیں فرار نہیں ہو سکتے۔"

"وہ یہاں ہیں ہی نہیں تو فرار کیسے ہوں گے۔ اور پھر انھیں فرار ہونے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ انھوں نے کیا جرم کیا ہے؟"

"انھوں نے حاور شرکائی کے مہمانوں کو زہریلی چائے پلانے کی کوشش کی ہے۔"

"جی۔ نہیں۔" اندر سے چلّا کر کہا گیا۔

"اگر یقین نہیں تو مسٹر شادو سے پوچھ لیں۔"

"کس طرح پوچھ لوں۔ وہ اندر نہیں ہیں۔"

"اب تو ہمیں بھی یقین آ چلا ہے کہ وہ یہاں نہیں آئے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ ہمارا اطمینان کروا دیتیں۔ کیا خیال ہے۔ تلاشی دیں گی آپ؟"

"ہرگز نہیں۔ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر تلاشی کس طرح دے سکتی ہوں۔"

"اب ہم پولیس کو فون کرنے پر مجبور ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔"

"ہم بھی چلیں۔ لیکن نہیں۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ میں فون کر آتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

محمود لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ چند منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔ اس نے آتے ہی بلند آواز میں کہا:

"جلد ہی پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ کہا۔ اندر سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ کھڑے انتظار کرتے رہے۔

آخر سب انسپکٹر اکرام چند ماتحتوں سمیت وہاں پہنچ گیا:

"کیا بات ہے بھئی؟"

انھوں نے بات بتائی۔

اکرام نے آگے بڑھ کر تیز دستک دی۔ جلد ہی پھر عورت کی آواز سنائی دی:

"جی۔ فرمائیے۔"

"باہر پولیس موجود ہے۔ ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔ ہمارے پاس تلاشی کا وارنٹ موجود ہے۔ آپ دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ جائیے۔"

"جی۔ جی اچھا۔"

دروازہ کھل گیا۔ اور وہ آدھ منٹ انتظار کرنے کے بعد اندر داخل ہوئے۔ ایک ماتحت دروازے پر ہی کھڑا

رہا۔

انھوں نے اندر کی تلاشی شروع کی۔ آخر میں ایک کمرہ رہ گیا۔

"محترمہ۔ کیا آپ اس کمرے میں ہیں؟"

"ہاں! اور میں پردہ دار عورت ہوں۔" اندر سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ برقعہ اوڑھ کر دوسرے کمرے میں چلی جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جلد ہی ایک عورت برقعے میں باہر نکلی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔ وہ اس کمرے میں بھی داخل ہوئے۔ لیکن شادو یہاں بھی نہیں تھا۔

"وہ تو واقعی یہاں نہیں ہے۔" اکرام نے کہا۔

"آپ ایک کام اور کریں۔" فرزانہ نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"ہاں! بتاؤ۔" اکرام بولا۔

فرزانہ نے اس کے کان میں کچھ کہا اور وہ مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔ ساتھ ہی انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب فاروق نے فرزانہ سے پوچھا:

"تم نے انکل سے کیا کہا ہے؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر بعد خود ہی دیکھ لینا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"وہی حرج ہے جو تھوڑی دیر صبر کر لینے میں ہے۔"

"وقت تیرے کی۔ بحث کی بات نہ ہو، تب بھی شروع کر دیتے ہو۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

اُدھر فرزانہ اُس کمرے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی جس میں اب عورت تھی:

"محترمہ۔ ہمارے ساتھی چلے گئے ہیں۔ ہم بچے ہیں۔ ہم سے تو آپ کو پردہ نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا دروازہ کھول کر باہر آ جائیں۔"

"نہیں! آپ کے بھائی بھی تو آپ کے ساتھ ہیں۔" اندر سے کہا گیا۔

"لیکن ہم بچے ہیں۔"

"بچے ہوں یا بڑے۔ میرے شوہر پردے کے بہت سخت ہیں۔"

"اچھا تو پھر دروازہ تھوڑا سا کھول دیجیے۔ صرف میں اندر آؤں گی۔ مجھ سے تو آپ کو پردہ کرنے کی ضرورت

نہیں ہو گی نا۔"

"اوہ ہاں ۔ ٹھیک ہے ۔ اندر تشریف لے آئیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھلا فرزانہ اندر داخل ہو گئی ۔ ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا گیا ۔ ایک منٹ بعد فرزانہ کی آواز اُبھری :

"محمود ۔ انکل کو بلا لو ۔ وہ بے چارے دروازے پر کھڑے سوکھ رہے ہوں گے ۔ میں نے اسی لیے انہیں باہر بھیج دیا تھا کہ یہ ہمارے سامنے آ جائیں ۔ یا کم از کم مجھے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں ۔ اب چونکہ ایسا ہو چکا ہے ۔ اس لیے انکل کو باہر کھڑا رکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا اور دروازے کی طرف چلا گیا ۔

جلد ہی اکرام اس کے ساتھ اندر آ گیا ،

"کیا رہا ؟" اکرام نے پوچھا۔

"فرزانہ اب اس کے ساتھ کمرے میں ہے۔"

"ہوں ! ٹھیک ہے۔"

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور فرزانہ باہر نکلی ۔

"آپ کا شکار تیار ہے۔"

"شکار ۔ کیا مطلب ؟"

"مسز شادو ۔ یعنی مسٹر شادو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا ! وہ اُچھل پڑے ۔

"ہاں ! گھر کے اندر کوئی عورت نہیں ، شادو ضرور ہے ۔ اور اسی نے عورت کا رُوپ دھار لیا تھا ۔ پھر جب انکل باہر چلے گئے تو میں نے اس سے اندر داخل ہونے کی اجازت لی ۔ اس نے بھی سوچا کہ باری باری ہمیں اندر بلا کر بے ہوش کرتا چلا جائے ۔ اس طرح فرار ہو جائے گا ۔ لیکن میں پہلے ہی اس کی چال کو بھانپ چکی تھی ۔ اس لیے ۔ اندر داخل ہوتے ہی فرش پر لڑھک گئی ۔ اس کا وار خالی گیا ۔ اتنے میں اس کے بالکل سامنے کھڑی ہو چکی تھی ۔ اس نے نہایت خاموشی سے دوسرا وار کیا ۔ میں نے وہ بھی خالی دیا ۔ اور پھر بجلی کی سی تیزی سے ایک مکا اس کی ناک پر رسید کر دیا ۔ یہ مکا بھرپور تھا ۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا اور آہستہ آہستہ نیچے بیٹھتا چلا گیا ۔ میں نے سوچا ۔ کہیں پھر اُٹھ کر دوڑ شروع نہ کر دے ، اس لیے احتیاطاً ایک مکا اور ناک پر رسید کر دیا ، اب وہ آرام سے لیٹا ہوا ہے۔"

"اس کی مہربانی ہے کہ آرام سے لیٹا ہوا ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ شادو مردانہ لباس میں ہی تھا۔ اس نے صرف برقعہ اُوپر لے کر خود کو عورت بنا لیا تھا۔

"اب اسے ہوش میں لانا پڑے گا۔" محمود بڑبڑایا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے اُوپر ایک بالٹی پانی کی اُلٹ دیتے ہیں۔ اس طرح کچھ پانی اس کی ناک کے ذریعے اس کے پھیپھڑوں میں چلا جائے گا۔ بس یہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوگا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"م۔ میں۔ میں کہاں ہوں۔" شادو نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"دیکھا۔ کیسی ترکیب بتائی۔ عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔" فاروق چہکا۔

"تو یوں کہو۔ تم میری جگہ لینے کی تیاری کر رہے ہو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تم اپنے گھر میں ہی ہو۔ چائے کے دودھ میں زہر کیوں ملایا تھا تم نے؟"

"م۔ میں نے۔ نہیں تو۔ میں نے تو نہیں ملایا تھا۔" شادو بولا۔

"تب پھر۔ تمہارے فرشتوں نے ملایا ہوگا۔"

"پ۔ پتا نہیں۔ فرشتے نظر کب آتے ہیں۔" اس نے

گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ انکل۔ میرا خیال ہے۔ یہ حضرت اتنے آرام سے نہیں بتائیں گے۔ انہیں کمرۂ امتحان میں لے جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ لے چلتے ہیں۔" اکرام نے خوش ہو کر کہا۔

"ک۔ کمرۂ امتحان۔ وہ کیا ہوتا ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"وہاں زبان کھلوانے کے عجیب و غریب آلات نصب ہیں۔ جدید ترین بھی۔ بس جوں ہی کوئی ایک آلہ فٹ کیا جاتا ہے۔ بجلی کا کرنٹ جسم میں دوڑنے لگتا ہے۔ اور زبان فرفر چلنے لگتی ہے۔"

"ن۔ نہیں۔" وہ چلا اُٹھا۔

"نہیں کیوں۔ اس کمرے سے واقف ہم ہیں۔ اور نہیں آپ ڈر رہے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"خیر۔ آپ کچھ بھی کر لیں۔ جب مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو پھر میں بتاؤں گا کیا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر دودھ میں زہر تم نے نہیں ملایا تھا تو ذرا بتاؤ۔ تم بلی کو دودھ کیوں نہیں پینے دے رہے تھے؟"

"خاور شیرکانی صاحب بلی کو بہت صاف ستھری چیزیں
کھلاتے پلاتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ میں
نے اسے فرش پر گرا ہوا دودھ پینے سے نہیں روکا تو
وہ مجھے ملازمت سے نکال دیتے۔"

"چلو خیر۔ تمہاری یہ بات مان لیتے ہیں، لیکن بلی
کے دودھ پی لینے کے بعد تم نے وہاں سے دوڑ کیوں
لگائی۔ اور دوڑ بھی ایسی کہ باورچی خانے میں بھی نہیں جا
کر رکے۔ اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ فون آیا ہے کہ دادی
کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اور سیدھے اپنے گھر آ کر
دم لیا۔ اور دم بھی ایسا ویسا نہیں لیا۔ جب ہم یہاں پہنچے
تو عورت بن گئے۔ آخر کیوں۔ تمہیں یہ سب کرنے کی کیا
ضرورت تھی؟" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

شادو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"اب بغلیں جھانکنے لگے۔ بھئی جواب دو۔"

"میں کیا جواب دوں۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"مان لیا۔ کہ تم بے قصور ہو۔ اور تم نے زہر کسی کے
کہنے پر ملایا تھا۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" وہ پھر اڑ گیا۔

"انکل۔ اس شریف آدمی کو کڑا امتحان دینا ہے۔"

ہی ہو گا۔"

"ہاں ہاں۔ لے جاؤ۔ تمہارے فرشتے بھی مجھ سے کچھ نہیں
اگلوا سکتے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"دیکھو بھئی۔ تم ہمارے فرشتوں تک نہ پہنچو۔ ان بے چاروں
کا کیا قصور۔ جھگڑا ہمارا اور تمہارا ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ اب چلنا چاہیے۔" اکرام نے اکتائے
ہوئے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ اسے باہر لائے۔ دروازے کو تالا لگایا۔ اور اسے
لے کر اکرام کی جیپ کی طرف بڑھے۔ ابھی جیپ کے نزدیک
ہی پہنچے تھے کہ شادو کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اور
وہ تیورا کر گرا۔

وہ بوکھلا گئے۔ پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ خود
بھی گر گئے۔ پھر جلدی سے اٹھے اور ایک سمت میں دوڑ
لگا دی۔ اکرام نے جیپ آگے بڑھا دی۔ محمود، فاروق اور
فرزانہ چلتی جیپ پر سوار ہو گئے۔ سڑک پر موجود لوگ
آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں
میں خوف تیر رہا تھا، کیوں کہ سڑک پر اب شادو کی
لاش موجود تھی۔ اور ایک دوڑتی جیپ میں انہوں نے

تین نو عمروں کو سوار ہوتے دیکھا تھا۔ ان کے خیال میں
وہی اس کے قاتل تھے، کیوں کہ مقتول کے پاس وہی
موجود تھے۔ فائر کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ شادو کی
کمر سے خون اُبل رہا تھا اور اس کے گرد پھیلتا جا رہا تھا،
اسی وقت ایک پولیس جیپ لاش کے پاس آ کر رُکی۔
"یہ کیا ہوا؟" اگلی سیٹ پر بیٹھے ایک پولیس آفیسر نے
کہا۔
"قتل۔ قاتل ایک جیپ میں اس طرف گئے ہیں۔"
"جیپ کا رنگ؟"
"بلب کی روشنی میں نیلا سا رنگ معلوم ہوا تھا۔ بالکل
پولیس جیپ لگتی تھی۔"
"اوہ اچھا۔"
اور جیپ اس طرف دوڑنے لگی۔ ادھر اکرام کی جیپ
اب ایک سُرخ رنگ کی کار کا تعاقب کر رہی تھی۔ سُرخ
کار والا آندھی اور طوفان کی طرح کار کو دوڑا رہا تھا۔
اکرام جیپ کی رفتار برابر بڑھاتا جا رہا تھا۔ اسی وقت
سُرخ کار نے ایک موڑ مُڑا۔ اور وہ ان کی نظروں سے
اوجھل ہو گئی۔
"جلدی کیجیے انکل۔" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کریں۔ وہ بچ نہیں سکتا۔ اس کی کار جیپ کی رفتار
کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" اکرام بولا۔
"ارے۔ ہمارے پیچھے بھی ایک جیپ ہے۔ لو۔ لیکن یہ
تو پولیس جیپ معلوم ہوتی ہے۔"
"لگ گئی ہو گی ہمارے تعاقب میں۔ بظاہر تو شادو کو
ہم قتل کر کے بھاگے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔
اسی وقت اکرام کی جیپ نے موڑ کاٹا اور دھک سے
رہ گیا۔ سُرخ کار کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے کھڑی
تھی۔ اس نے بھی جیپ اس کے عین پیچھے روک دی۔ چاروں
جیپ سے اُترے، لیکن سُرخ کار بالکل خالی تھی۔ حملہ آور
اس میں نہیں تھا۔
"اس کا مطلب ہے۔ وہ اس طرف سے نکل گیا۔" اکرام
بڑبڑایا۔
اسی وقت پولیس جیپ آ کر رُکی۔ ایک سارجنٹ چھلانگ
لگا کر اُترا۔
"خبردار۔ تم لوگ ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔"
"کس خوشی میں۔" اکرام اس کی طرف مُڑا۔
"تم لوگ ایک شخص کو قتل کر کے بھاگے ہو۔"
"ہم نہیں۔ سُرخ کار والا۔ ہم تو اس کا تعاقب کر رہے

تھے۔ افسوس۔ وہ کار یہاں روک کر نیچے کود گیا۔"

"میں اس بات پر کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔"

اکرام نے منہ بنا کر اپنا کارڈ نکالا اور اس کے سامنے کر دیا۔ کارڈ پڑھ کر وہ چونک اُٹھا اور بولا:

"اوہ۔ معاف کیجیے گا جناب۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ جیسے فرض شناس لوگوں کی تو ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے۔ آپ اس جگہ ڈیوٹی پر بھی نہیں تھے۔"

"جی نہیں۔ میں تو دفتر جا رہا تھا۔"

"کاش۔ ہمارے ملک کی پولیس میں سب آپ جیسے لوگ آ جائیں۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

"تو پھر۔ مجھے اجازت ہے۔ یا میرے لائق کوئی خدمت۔"

"نہیں۔ آپ جائیے۔ ہم نپٹ لیں گے۔"

سارجنٹ چلا گیا۔ وہ کار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر اکرام نے جیب سے اپنے ماتحتوں کو فون کیا۔ کیوں کہ پہلے ساتھ آنے والے ماتحتوں کو وہ سرخ کار کے تعاقب کے سلسلے میں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ جلد ہی اور ماتحت پہنچ گئے:

"اس کار پر سے انگلیوں کے نشانات اُٹھا لو۔"

"او کے سر۔" ایک ماتحت نے کہا۔ اب اکرام نے پھر جیب سے فون کیا۔ اس بار اس نے رجسٹریشن آفس کے نمبر ملائے تھے۔

اپنا تعارف کروانے کے بعد اس نے کہا:

"کار نمبر آئی این ۹۲۱ کس کی ہے۔ فوری طور پر بتا دیں۔"

"بہت بہتر جناب۔"

اکرام نے اپنا نمبر بتا کر ریسیور رکھ دیا۔ پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی:

"ہیلو۔ اکرام بول رہا ہوں۔"

"کار نمبر آئی این ۹۲۱ مسٹر خاور شرکانی کی ہے۔"

اکرام نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے منہ سے یہ بات نکلتے ہی وہ تینوں بُری طرح اُچھلے۔

رقعہ لکھ دیں

"یہ چکر کیا ہے بھئی۔ خاور شرکانی تو بہت ہی مشہور آدمی ہیں۔"

"جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔ اور ہم تھوڑی دیر پہلے انہی کی کوٹھی میں موجود تھے۔" محمود نے کہا اور پھر اسے ساری تفصیل سنا دی۔

"اوہ۔ یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہے۔ یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چائے کے دودھ میں زہر شادو نے خود خاور شرکانی کے کہنے پر ملایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ خاور شرکانی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس وقت کمرے میں تم لوگوں کے ساتھ راحت بھائی تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ خاور شرکانی یا جس نے بھی زہر ملوایا، راحت بھائی کو ختم کرنا چاہتے تھے یا تم لوگوں کو؟"

"معاملہ اس طرح سمجھ میں نہیں آئے گا۔ پہلے تو دیکھنا

یہ ہے کہ اس کار میں کون موجود تھا۔ کم از کم یہ بات ثابت ہے کہ اس نے مسٹر شادو کو ختم کیا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ خاور شرکانی کی کار میں کیوں موجود تھا؟" محمود جلدی جلدی بولا۔

اسی وقت اکرام کا ایک ماتحت ان کے قریب آیا۔

"مختلف جگہوں پر انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ جو اٹھا لیے گئے ہیں۔"

"اسٹیرنگ پر بھی نشانات ملے ہیں؟"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"باقی جگہوں پر ملنے والے نشانات وہی ہیں جو سٹیرنگ پر ملے ہیں؟"

"نہیں جناب۔ نشانات مختلف ہیں۔"

"ہوں۔ تب تو ہمیں فوراً خاور شرکانی سے ملنا چاہیے، آئیے انکل۔ آپ بھی چلیں۔"

وہ خاور شرکانی کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ سب لوگ ہال میں جمع تھے اور ان میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر خاموشی چھا گئی۔

"کیوں بھئی۔ کیا رہا؟" خاور شرکانی بلند آواز میں بولے۔

"آپ کے پاس کوئی سرخ رنگ کی آئی این ۱۰۲۱ نمبر

کار بھی ہے؟

"ہاں، بالکل ہے۔"

"اس وقت وہ کار کہاں ہے؟" وہ چونک اُٹھے۔ چہرے
پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"آپ اس کار کا ذکر سُن کر حیران کیوں ہیں؟"

"اس لیے کہ وہ کار تین دن پہلے چرا لی گئی تھی۔"

"اوہو اچھا۔ کیا آپ نے اس کی رپورٹ درج کروائی
تھی؟"

"ہاں بالکل۔ اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں فوری
طور پر رپورٹ درج کروائی تھی۔"

"اطلاعاً عرض ہے کہ اس کار کو ایک قتل کے لیے
استعمال کیا گیا ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب؟" خاور شرکانی چلائے۔

"اور قتل بھی آپ کے ملازم شادو کو کیا گیا ہے۔"

"کیا۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر
سیدھا اپنے گھر گیا تھا۔ ہم بھی سیدھے وہیں پہنچے اور
اسے گرفتار کر لیا۔ کیوں کہ چائے کے دودھ میں زہر بہرحال
اس نے ہی ملایا تھا۔ کیوں ملایا تھا یا کس کے کہنے پر

ملایا تھا۔ یہ بعد کی بات تھی۔ ہم اسے لے کر اس کے
گھر سے باہر نکلے اور جیپ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ
سُرخ رنگ کی کار سے اس پر بے آواز فائر کیا گیا۔
ہم نے اس سُرخ کار کا تعاقب کیا، لیکن وہ سُرخ کار
کو سڑک کے کنارے چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو
گیا۔ اور اب آپ بتا رہے ہیں کہ سُرخ کار کو تو تین
دن پہلے چرا لیا گیا تھا۔ گویا پورا منصوبہ پہلے ہی ترتیب
دیا جا چکا تھا۔ پہلے آپ کو کُتّے کے ذریعے خط بھیجے
گئے کہ یہ تقریب نہیں ہونی چاہیے۔ پھر جب آپ نے
ان خطوط کا کوئی اثر نہیں لیا تو اس تقریب کو بم سے
اڑانے کی ترکیب کی گئی۔ وہ بھی ناکام رہی اور یہ خطرہ
محسوس کیا کہ کہیں ہم اس ساری سازش کی تہ تک نہ پہنچ
جائیں تو ہمیں زہر دے کر موت کی سلانے کی کوشش کی
گئی، لیکن قدرت کی مہربانی سے مسٹر انور شمو اندر آ گئے اور
ان کے ٹکرانے سے چائے گر گئی۔ وہ دودھ کُتی پی گئی۔
اور وہ مر گئی۔ اس طرح ہمیں شادو پر شک ہوا۔ ہم اس
کے پیچھے دوڑے۔ لیکن اس کو ختم کر دیا گیا۔ سوال صرف
اور صرف یہ ہے کہ مجرم کو پہلے ہی کار چرانے کی ضرورت
کیوں پیش آئی۔ کیا اسے معلوم تھا کہ ایسی نوبت بھی آ

سکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے پہلے ہی اندازہ تھا۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر تقریب کو کینسل نہ کیا گیا تو طاقتور بم کے ذریعے اڑا دیا جائے گا۔ اگر وہ بھی ناکام رہا تو سُرخ کار کے ذریعے کوئی کام لیا جائے گا۔ حیرت انگیز سوال یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اس تقریب کو کیوں رکوانا چاہتا تھا۔"

"واقعی۔ حد درجے حیرت انگیز بات ہے۔" ریاض جیولو نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اور اس سوال کا جواب ہمیں مسٹر خاور شرکانی دیں گے۔"

"کیا مطلب۔ میں دوں گا۔" خاور شرکانی نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں! کیا آپ نہیں بتا سکتے ہیں۔ کہ آپ ہر سال یہ تقریب کیوں مناتے ہیں۔ بڑے بڑے افسروں کو کیوں بلاتے ہیں؟"

"یہ۔ یہ میرا شوق ہے۔" وہ بولے۔

"صرف شوق۔ یا کوئی اور بات بھی ہے؟" فرزانہ نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

"صرف شوق۔"

"آپ ایک ٹھیکے دار بھی ہیں۔ کیوں نا۔ ٹھیک ہے نا؟" محمود نے کہا۔

"ہاں! بالکل۔"

"اور سُنا ہے۔ ہمیشہ بہت بڑے بڑے ٹھیکے لیتے ہیں؟" محمود بولا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں۔ اس دعوت میں خاص طور پر ان آفیسرز کو بلایا جاتا ہو۔ جن سے ٹھیکے حاصل کیے جا سکتے ہوں۔" محمود نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

خاور شرکانی کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔ اس نے محمود کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ سب لوگ بے تابانہ انداز میں خاور شرکانی کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر محمود ہی بولا:

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ اس تقریب میں ان آفیسرز کو بھی بلایا جاتا ہے۔ لیکن میں ٹھیکے لینے کے لیے اس تقریب کو استعمال نہیں کرتا۔"

"کیا ان دنوں آپ کوئی ٹھیکا لینے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"ہاں!" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کس چیز کا؟"

"دائل برج کا۔ ایک بہت بڑا پل بنایا جائے گا۔ حکومت ان دنوں اس کا ٹھیکا دینے والی ہے۔ اور میری یہ عین خواہش ہے کہ یہ ٹھیکا مجھے ملے۔"

"کیا اس تقریب میں کوئی ایسے آفیسر موجود ہیں۔ جو اس ٹھیکے کو دلوانے میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟" محمود نے کہا۔

"ہاں! غضنفر قدوائی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" خاور شرکانی نے اب کافی حد تک خود پر قابو پا لیا تھا۔

"میرا سوال غور سے سنیے۔ اور پھر جواب دیجیے۔ اگر آپ آج یہ دعوت نہ دیتے تو اس سے ٹھیکا لینے یا نہ لینے پر کیا اثر پڑ سکتا تھا؟"

"اس بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔ دعوت کینسل ہونے سے تو کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔" خاور شرکانی نے کہا۔

"جب کہ اس نامعلوم شخص نے پورا زور صرف اس بات پر لگا دیا کہ کسی طرح یہ دعوت نہ ہو۔ کیا یہ بات عجیب نہیں؟"

"بہت عجیب۔ لیکن وجہ تو وہ خود ہی بتا سکتا ہے۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں دراصل اس نامعلوم آدمی کا سراغ لگانا پڑے گا۔ اس کے بغیر ہم اس کیس کی تہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ کیس اتنا آسان یا سادہ نہیں ہے۔"

"اسی لیے میں چاہتا تھا۔ انسپکٹر جمشید آ جاتے۔" خاور شرکانی نے فوراً کہا۔

"ہم ان کو بھی فون کر کے بلانے کی کوشش کریں گے۔ فکر نہ کریں۔ مسٹر راحت بھائی۔ آپ ذرا ہمارے ساتھ الگ کمرے میں چلیں گے۔ ہم آپ سے اپنی بات پوری نہیں کر پائے تھے۔"

"ضرور! کیوں نہیں۔"

وہ ان کو ساتھ لیے پھر خاور شرکانی کے کمرے میں آ بیٹھے جس میں بلی جان سے گئی تھی۔ اب یہ کمرہ صاف کیا جا چکا تھا۔

"ہم نے آپ کے سامنے ایک لفظ بولا تھا۔ اور وہ لفظ تھا کتا۔ لیکن ہم نے آپ کو کتا ہرگز نہیں کہا تھا۔ اور ہم کہہ بھی کیوں کر سکتے تھے۔ آپ تو انسان ہیں۔ اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ لہٰذا اگر آپ اجازت

دیں تو ہم گفت گو وہیں سے شروع کریں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

"ہم نے سُنا ہے۔ کہ آپ کو کتّے پالنے کا بہت شوق ہے۔ اور آپ نے پندرہ کتّے پال رکھے ہیں۔"

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔"

"کیا آپ کتّوں کو سدھاتے بھی ہیں؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اب سُنیئے۔ آج سے پندرہ دن پہلے مسٹر خاور شرکانی کو ایک گمنام خط ملا۔ خط انھیں گیٹ کے ساتھ پڑا ملا تھا۔ یعنی رات کے وقت کوئی گرا گیا تھا۔ انھوں نے خط پڑھا، لیکن کوئی توجہ نہیں دی۔ دُوسرے دن پھر ایک خط ملا۔ اب تو وُہ ان پر توجہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح تیسرے دن بھی خط ملا۔ آخر انھوں نے ایک رات جاگ کر گزارنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ خطوط ڈال کر جانے والے کو پکڑ سکیں۔ لیکن رات کے وقت ایک خوف ناک سیاہ کتّا آیا۔ گیٹ پر چڑھا اور خط اندر گرا کر چلا گیا۔ اور وُہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔"

"ن۔ نہیں۔" راحت بھائی نے کانپ کر کہا۔

"خاور شرکانی صاحب کو اسی طرح خط ملتے رہے اور وُہ

ان خطوط کو اپنے پاس رکھتے رہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس معاملے میں پولیس سے کوئی مدد نہیں لی۔ ورنہ اس کتّے کا سُراغ لگایا بھی جا سکتا تھا۔ پولیس گاڑی میں اس کا تعاقب کرنا بھی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیا تو صرف اتنا کہ اس دعوت میں ہمیں بھی بلا لیا۔ ہم نے یہاں ٹائم بم کی بُو سونگھ لی۔ اور بم برآمد کر کے اسے ناکارہ بنا دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وُہ تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟" محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہُم۔ میں کیا کہوں۔ اس معاملے سے بھلا میرا کیا تعلق۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"آپ شاید سیاہ رنگ کے خوف ناک کتّے کو بھول رہے ہیں۔"

"تت۔ تو آپ کے خیال میں وُہ خطوط کتّے کے ذریعے میں بھیجتا رہا ہوں۔" انھوں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ہم نے یہ نہیں کہا۔ ویسے کیا آپ کے پاس سیاہ رنگ کا کوئی خوف ناک کتّا ہے؟"

"ہاں! ہے۔ لیکن میں اس سے یہ کام نہیں لیتا رہا۔

یہ بات آپ نوٹ کر لیں۔"

"آپ کے کتے اور کس کس سے مانوس ہیں۔ کیا کوئی دُوسرا بھی ان سے اس قسم کا کام لے سکتا ہے؟" فرزانہ نے پُوچھا۔

"کتوں کی خدمت کرنے والا میرا مُلازم رُوکا۔"

"رُوکا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! جس قدر کتے مجھ سے مانوس ہیں، اس سے کہیں زیادہ رُوکا سے ہلے ہوئے ہیں، ان کو خوراک آخر وُہی کھلاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ وُہ انھیں سدھا بھی سکتا ہے۔"

"ہاں! وُہ کتوں کو سدھانے کا بھی ماہر ہے، لیکن ظاہر ہے۔ وُہ یہ کام کیوں کرتا۔ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وُہ بے چارہ تو ایک سیاہ فام آدمی ہے۔ جو اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔"

"اس کے باوجود ہمیں مسٹر رُوکا سے ملنا ہوگا۔ آپ ایک رقعہ اس کے نام لکھ دیں۔ تاکہ ہم ابھی اور اسی وقت ان سے مل لیں۔"

"اچھی بات ہے۔ لکھ دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ایک بات اور۔ کیا آپ بھی ٹھیکے لیتے ہیں؟" محمود نے

—

نہیں۔ میرے لیے میری زمینیں ہی کافی ہیں۔" وُہ بولے۔

رقعہ لے کر وُہ باہر کی طرف چلے۔ لیکن پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔ ان کے راستے میں ایک شخص کھڑا تھا۔

کے چہرے پر طنزیہ مُسکراہٹ تھی اور اس شخص کا تھا۔ انور شمو۔

عجیب آدمی

"خیریت تو ہے مسٹر شمو" محمود نے منہ بنایا۔
"میں بھی آپ لوگوں سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"
نے کہا۔
"ہم ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ تھوڑی
تک واپس آ جائیں گے۔ پھر جی بھر کر باتیں کر لیجیے
فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔
"جی نہیں۔ پہلے مجھ سے باتیں کر لیں، پھر جائیے
انور شمو نے کہا۔
"دیکھیے۔ ہمیں ایک بہت ضروری کام ہے" فرزا
تنگ آ کر کہا۔
"اچھا۔ جیسے آپ کی مرضی" اس نے کندھے اچکائے۔
تینوں نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور اس
سے نکلتے چلے گئے۔

"عجیب سا آدمی ہے" فرزانہ بڑبڑائی۔
"ہاں! لیکن ہم پر اس کا احسان ہے۔ اگر یہ عین وقت
نہ آ جاتا تو ہم زہریلی چائے پی گئے تھے" محمود نے
ی سے کہا۔
"نہ جانے اس وقت کیا کہنا چاہتا تھا۔ ہم سن ہی لیتے"
وق بولا۔
"اس وقت تو جل بھن رہے تھے۔ اور اب کہ رہے ہو،
سن لیتے اس کی۔ وہ کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔
آ کر سن لیں گے"
"ہوں! ٹھیک ہے"
وہ باہر نکل کر اپنی موٹر سائیکلوں کی طرف بڑھے، پھر
نے کچھ سوچ کر کہا،
"کیوں نہ انکل اکرام کی جیپ میں چلیں"
"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"
وہ اکرام کو اندر ہی سب لوگوں میں چھوڑ آئے
۔ جیپ کے نزدیک پہنچتے ہی وہ دھک سے رہ گئے۔
پ کے پچھلے دونوں ٹائر پچکے ہوئے تھے۔ نہ جانے ہوا
گئی تھی یا پنکچر ہو گئے تھے۔
"حیرت ہے۔ جیپ کو کیا ہوا"

"بیمار ہو گئی بے چاری۔" فاروق نے کہا۔
آخر وہ پھر اپنی موٹر سائیکلوں کی طرف آئے۔ انھیں
پھر ایک جھٹکا لگا۔ دونوں موٹر سائیکلیں بھی پنکچر ہو
تھیں۔
"یہ۔ یہ کیا؟" فاروق جھلایا۔
"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے جان
کر انھیں پنکچر کیا ہے۔"
"ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم انکل خان رحمان یا
انکل کی کار میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان سے چابی ل
پڑے گی۔"
"ہی ہی ہی۔" ہنسی کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی
وہ چونک کر مڑے۔ اور حیرت زدہ رہ گئے۔ انور شم
ان کے عین پیچھے کھڑا ہنس رہا تھا۔
"آپ کی اس ہنسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق
کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔
"یہ ہنسی افسوس کے طور پر ہے۔" اس نے کہا۔
"حیرت ہے۔ ہنسی بھی کبھی افسوس کے طور پر ہو سکت
"پتا نہیں۔ آئیے۔ میری کار حاضر ہے۔ جہاں کہ
لے چلوں۔"

"شکریہ۔ یہاں ہمارے لیے اور کاریں بھی ہیں۔"
"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کہا اور ایک طرف بڑھ
گیا۔
"میں چابی لے آؤں بھئی۔ تم پروفیسر انکل کی کار کے
پاس چلو۔" محمود نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی
طرف چلا گیا۔
"اچھی بات ہے۔" فاروق بولا۔
ایسے میں فرزانہ نے دیکھا۔ انور شمو ایک سفید رنگ
کی کار کا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ چکا تھا۔ لیکن اس
نے انجن سٹارٹ نہیں کیا۔
"پتا نہیں۔ کیا چاہتا ہے۔"
"ضرور یہ کسی چکر میں ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔"
اسی وقت محمود آ گیا۔ چابی اس کی انگلی پر گھوم
رہی تھی۔ اس وقت ان کی نظریں پروفیسر داؤد کی کار
کے ٹائروں پر پڑی۔
"ارے۔ یہ کیا۔ ٹائر تو اس کے بھی۔"
وہ بوکھلا اٹھے۔ جلدی سے انھوں نے خان رحمان کی
کار کو دیکھا۔ وہ بھی بے کار ہو چکی تھی۔ اب انھوں
نے باقی لوگوں کی کاروں کے ٹائر دیکھے۔ وہ ٹھیک

حالت میں تھے۔

"عجیب بات ہے" فرزانہ بڑبڑائی۔

ساتھ ہی ان کی نظریں انور شمو پر پڑیں۔ وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ تینوں آہستہ آہستہ چلتے اس کی کار کے قریب پہنچے اور پچھلا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گئے، ساتھ ہی کار کا انجن جاگ اٹھا۔

"کہاں چلنا ہے جناب؟" انور شمو نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"راحت بھائی کی کوٹھی تک۔ ان کی کوٹھی معلوم ہے؟"

"ہاں! معلوم ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی کار بیک ہوئی اور پھر چکر کاٹنے کے بعد ہوا ہو گئی۔

"دو کاروں، ایک جیپ اور دو موٹر سائیکلوں کے ٹائر پنکچر کرنے میں تو کافی محنت صرف ہوئی ہو گی۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"محنت کے بغیر تو کوئی کام بھی نہیں ہوتا جناب۔" انور شمو بولا۔

"ہاں۔ لیکن آپ کو اس قدر محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس۔ میں چاہتا تھا۔ آپ میری کار میں سفر کریں۔" اس نے کہا۔

"اور آپ یہ کیوں چاہتے تھے؟"

"آپ لوگوں سے علیحدگی میں چند باتیں کرنے کا خواہش مند تھا۔" انور شمو بولا۔

"چلیے پھر۔ اب وہ موقع میسر آ گیا۔ کیجیے چند باتیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"راحت بھائی کے کتے بہت خطرناک ہیں۔ اور ان کا ملازم رُوکا ان کتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ راحت بھائی کے ایجنٹ ہیں۔"

"نہیں۔ میں تو آپ لوگوں کا دوست ہوں۔"

"ہاں! اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔ خیر اس اطلاع کے لیے بھی بہت بہت شکریہ۔" محمود نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے۔ آپ وہاں اس وقت نہ جائیں۔ دن میں جائیں۔ اور پولیس کو ساتھ لے کر جائیں۔"

"ہم اتنے ڈرپوک نہیں، جتنے آپ ہیں۔"

"یہ بات تو میں آپ کی تسلیم نہیں کروں گا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"کون سی بات؟"

"ڈرپوک والی۔ ڈرپوک تو خیر میں نہیں ہوں۔ احتیاطاً

کا مطلب یہ نہیں کہ میں ڈرپوک ہوں۔"

"ہم اس کیس کی تفتیش صبح تک ملتوی نہیں کر سکتے۔ یہ
ہمارے شوق کی ہتک کے برابر ہو گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"اور آپ نے اتنی سی بات بتانے کے لیے اتنے ٹاٹو
چکر کیے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا کرتا مجبوری تھی۔"

"آپ یہ باتیں ہمیں ویسے ہی کر سکتے تھے۔"

"میں جانتا تھا۔ آپ نہیں سنیں گے۔ اور پھر آپ نے میری
باتیں سننے سے واقعی انکار کر دیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اچانک انہیں احساس ہوا۔ انور شمو کوئی بہت ہی
سمجھدار آدمی ہے۔ ساتھ ہی انہیں اس کا کمرے میں لڑکھڑاتے
ہوئے داخل ہونا یاد آ گیا۔ گویا اس وقت بھی وہ جان
بوجھ کر لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ تاکہ چائے کی
میز سے ٹکرا جائے۔

"ہم۔ ہم آپ کو غلط سمجھے تھے مسٹر انور شمو۔ معاف
کر دیجیے۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" وہ مسکرایا۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ کو چائے کے دودھ میں زہر ملانے
کے بارے میں پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا؟"

"اوہ۔ آخر آپ نے یہ اندازہ لگا ہی لیا؟" انور شمو نے
کہا۔

"ہاں! ابھی ابھی لگایا ہے۔ بلکہ اب تو میں نے ایک
اور اندازہ بھی لگا لیا ہے۔" فرزانہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

"اچھا! وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ ہمارے ساتھ کسی خاص وجہ سے جانا چاہتے
ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں وجہ بتا چکا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تب تو آپ ہمیں یہیں اتار دیں اور واپس چلے جائیں،
راحت بھائی کی کوٹھی تک ہم خود ہی پہنچ جائیں گے۔" فرزانہ
نے کہا۔

"ارے نہیں۔ میں خود چھوڑنے جاؤں گا۔"

"میں نے کہا نا۔ کوئی خاص بات ہے۔ ورنہ آپ کیوں
اس قدر تکلیف کرتے؟"

"خیر۔ یہی سمجھ لیں۔ میرا کیا جاتا ہے؟"

"آپ کو راحت بھائی کے کتّوں اور ان کے ملازم کے
بارے میں کس طرح معلوم ہوا؟"

"میں اخبارات بہت غور سے پڑھتا ہوں۔" انور شمو نے
مسکرا کر کہا۔

"جی کیا مطلب۔ اس بات کا اخبارات سے کیا تعلق؟"
محمود چونکا۔

"ایک دن دو چور راحت بھائی کی کوٹھی میں داخل
ہو گئے تھے۔ ٹروکا نے انہیں دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔
اس نے ان پر کتے چھوڑ دیے۔ کتوں نے ان کی تکا بوٹی
کر دی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کتے ٹروکا کا اس حد تک حکم مانتے ہیں۔ اس کے اشاروں
کو سمجھتے ہیں۔" اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔

"آپ یہ سب باتیں اس قدر ڈراؤنے انداز میں کیوں
کر رہے ہیں۔ ہمیں ڈرانے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ آپ لوگ نہیں ڈریں گے۔" اس
نے منہ بنایا۔

"ہم سوچ سوچ کر تھک چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ بات
سمجھ نہیں آئی کہ اس تقریب سے کسی کو کیا تکلیف تھی۔
وہ یہ کیوں چاہتا تھا کہ تقریب نہ ہو۔"

"اور یہ بات سمجھ میں ابھی نہیں آ سکتی۔" انور شمو بڑبڑانے

کے انداز میں بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات آ چکی ہے؟"
محمود نے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا۔"

"ہاں واقعی۔ آپ نے یہ تو کہا ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں
آ سکتی۔ تو مسٹر راحت بھائی کے گھر میں دو چوروں کے گھسنے
کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔"

"بالکل۔ بہت بڑی سرخی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔"
انور شمو نے بتایا۔

"اور پولیس نے راحت بھائی کو نہیں پوچھا۔ آخر انہیں
دو آدمیوں کی جان لینے کا کیا حق تھا؟"

"دونوں چور مسلح تھے۔ ان کی لاشوں کے پاس پستول بھی
پائے گئے تھے۔ گویا وہ بھی بہت خطرناک تھے۔ اس لیے
پولیس نے راحت بھائی کو کچھ نہیں کہا۔"

"اور وہ دونوں چور۔ کیا ان کے بارے میں کچھ معلوم
ہوا تھا۔"

"نہیں۔ ان کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ لیجیے۔ ہم پہنچ
گئے۔ اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"بس۔ آپ ہمیں دروازے پر اتار دیں۔ اور اگر آپ

واپس جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"آپ کو واپسی میں وقت ہو گی۔ میں انتظار کروں گا۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" محمود نے کہا اور تینوں کار سے اُتر کر آگے بڑھے۔ عین اسی وقت انھوں نے تیز غراہٹ کی آواز سنی۔ پھر کئی کتّے بیک وقت آندھی اور طوفان کی طرح ان کی طرف دوڑتے نظر آئے۔

ان کے رنگ اُڑ گئے۔ ہتھیار کے بغیر اتنے کتّوں کا مقابلہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔ ہاں ایک دو ہوتے تو وہ ان سے نبٹ سکتے تھے۔

"درخت پر۔" فرزانہ چلائی۔

کوٹھی کے بالکل سامنے ایک گھنا درخت تھا۔ انھوں نے درخت کی طرف چھلانگیں لگا دیں، لیکن اسی وقت کتّے ان کے سر پر پہنچ گئے۔ وہ لمحات حد درجے خوفناک تھے۔ موت ان سے صرف چند سیکنڈ دُور تھی۔ اچانک پستول کے پے در پے کئی فائر ہوئے۔ کتّوں کی ہولناک چیخوں نے فضا میں ہل چل مچا دی۔ وہ اُچھل اُچھل کر گرے اور تڑپنے لگے۔ جو ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ انجام سے بے خبر درخت کی طرف جھپٹے۔ اسی وقت پھر

فائر ہوئے اور وہ بھی ڈھیر ہو گئے۔ اب ان کے پیچھے صرف تین کتّے رہ گئے تھے۔ وہ بھی بلا کی رفتار سے آ رہے تھے۔ تین فائر اور ہوئے۔ تینوں کتّے اُچھل کر گرے اور تڑپنے لگے۔ ایسے میں انور شمو کی آواز گونج اٹھی:

"وہ بھاگا جا رہا ہے۔"

اس جملے کے ساتھ ہی تینوں نے دوڑ لگا دی۔ انھوں نے سیاہ رنگ کے ایک آدمی کو سڑک پر سرپٹ دوڑتے دیکھ لیا تھا۔

افسوس!

زوکا کی رفتار بہت تیز تھی، لیکن دوڑ کے معاملے
میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ صرف تین منٹ بعد انھوں
نے اسے جا لیا۔ پھر محمود دوڑتا ہوا اس سے آگے
نکل گیا۔ اور اچانک پلٹتے ہوئے اس کی ٹانگوں سے
ٹانگ اڑا دی۔ وہ دھڑام سے گرا۔ منہ کے بل گرنے
کی وجہ سے اس کی ناک سڑک سے ٹکرائی اور خون جاری
ہو گیا۔ سڑک پر نصب کھمبوں پر مرکری بلب روشن تھے،
اس لیے وہ اسے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اب اس کا چہرہ حد درجے
خوف ناک دکھائی دے رہا تھا:

"نہیں دوست۔ ہم پر قاتلانہ حملہ کرنے کے بعد اب تم
فرار نہیں ہو سکتے۔ ہم تم سے یہ معلوم کر کے رہیں گے کہ تم
نے ہم پر کتے کیوں چھوڑے۔ ہم نے تمھارا کیا بگاڑا
تھا۔"

زوکا نے کوئی جواب نہ دیا اور محمود پر جھپٹ پڑا۔
اس کا انداز حد درجے وحشیانہ تھا۔ اس کا خوف ناک مکا
محمود کی ٹھوڑی پر لگا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ فاروق غصے میں
آ گیا۔ اس نے سر کی ٹکر اس کے سینے پر دے ماری،
زوکا کے قدم ڈگمگائے۔ پیچھے فرزانہ تھی۔ اس کے پیر
کی ٹھوکر اس کی ریڑھ کی ہڈی پر لگی۔ وہ پیچھے گرتے
گرتے آگے گرا۔ ادھر محمود خود کو سنبھال چکا تھا۔ اس
کا ایک بھرپور مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا۔ زوکا چکر کھا
گیا، لیکن چکر کھانا بھی اس کے کچھ کام نہ آ سکا۔ فاروق
نے اپنے جوتے کی نوک اس کی پنڈلی کی ہڈی پر دے
ماری تھی۔ یہ چوٹ شدید تھی۔ وہ ایک پاؤں اٹھا کر ناچنے
لگا۔ ایسے میں محمود نے دوسری پنڈلی کی خبر لے ڈالی،
وہ زور سے گرا۔ فرزانہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کے پیٹ
پر چھلانگ لگا دی۔ زوکا کے منہ سے بلند آواز میں چیخ
نکلی۔ اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔

"بھئی واہ۔ حیرت انگیز۔ مزا آ گیا۔"

تینوں نے انور شمو کی آواز سنی۔ وہ کار میں بیٹھا ان
کے نزدیک آ چکا تھا۔

"لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ نہ آ گئے ہوتے تو یہ مزا

کبھی نہ آتا۔ ہمیں تو اس وقت کُتّے چیر پھاڑ رہے ہوتے۔"

"اللہ کا شکر ادا کرو۔"

"ہاں! اس کا شکر ادا کیے بغیر تو چارہ نہیں۔ کیا آپ بھی سوچ کر ہمارے ساتھ آئے تھے۔ ویسے آپ کا نشانہ بھی خوب ہے۔ داد دینا پڑتی ہے۔"

"تو دے دو نا بھئی داد۔ اتنے کنجوس تو نہ بنیں۔"

وہ مسکرایا۔

"لیکن۔ آپ کے پستول میں اتنی گولیاں کیسے آگئیں۔ غالباً آپ نے پندرہ کے قریب فائر کیے تھے۔"

"ہاں! میرے پاس دو پستول ہیں۔"

"اور دونوں بھرے ہوئے تھے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بالکل۔ خالی پستول رکھنے کا کیا فائدہ۔" اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ ہم زردکا کو اٹھا کر شرکانی صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ وہیں راحت بھائی سے بات چیت ہو گی۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"تو آپ کے خیال میں راحت بھائی مجرم ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ ہمارے یہاں آنے کا اس کو علم تھا۔ اور زردکا اس کا ملازم ہے۔ لہٰذا

اس نے فون کر دیا ہو گا کہ ہم آ رہے ہیں۔ ہم پر کتے چھوڑ دیے۔"

"ہوں! واقعی۔ ان حالات میں اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔" انور شمو بولا۔

وہ واپس روانہ ہوئے۔ زردکا کو انھوں نے باندھ کر ڈکی میں ڈال دیا تھا اور ڈکی کو کھلا رہنے دیا گیا تھا۔

"ایسے میں اگر کسی پولیس مین نے روک لیا تو وقت ضرور ضائع ہوگا۔" فرزانہ بولی۔

"فکر نہ کرو۔ ہم کار روکیں گے ہی نہیں۔ سیدھے شرکانی صاحب کے ہاں جائیں گے۔ کوئی پولیس والا تعاقب کرتا ہوا وہاں تو پہنچ سکتا ہے۔ راستے میں ہمیں نہیں روک سکتا۔" محمود نے کہا۔

"مجھے تو بار بار ان کتوں کا خیال آ رہا ہے۔ اُف۔ آج تو مارے گئے تھے اگر۔" فاروق کانپ اٹھا۔

"بس بھئی۔ اب اس سلسلے میں میرا نام نہ لینا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے۔" انور شمو بولا۔

اور پھر وہ شرکانی صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے۔ جونہی کار سے زخمی زردکا کو اُتار کر اندر لے جایا گیا۔ سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"یہ — یہ کیا — یہ تو میرا ملازم رُوکا ہے۔" راحت بھائی نے چلا کر کہا۔

"تو ہم کب کہہ رہے ہیں کہ یہ ہمارا ملازم چھوکا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کک — کیا مطلب؟"

"یہ سو فیصد آپ کا ملازم ہے جناب۔" محمود نے کہا۔

"لیکن یہ یہاں کیوں ہے — اور وہ بھی زخمی حالت میں۔ اسے تو گھر میں ہونا چاہیے تھا۔"

"اور یہ وہیں تھا — ہم آپ کے گھر کا پروگرام بنا کر یہاں سے نکلے تھے — جوں ہی ہم کوٹھی کے سامنے پہنچ کر کار سے اُترے اور گیٹ کی طرف بڑھے۔ کئی ہولناک کتوں نے ہم پر یک بارگی حملہ کر دیا — وہ تو ہمارے ساتھ مسٹر انور شمو تھے — ورنہ اس وقت ہم زندہ سلامت آپ کے سامنے نہ ہوتے۔"

"کیا مطلب؟" راحت بھائی نے گھبرا کر کہا۔

"انھوں نے کتوں پر فائرنگ کر دی — ورنہ ہم مارے گئے تھے۔"

"اور — اور — کتے —" راحت بھائی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم — مارے گئے — سب کتے مارے گئے۔" فاروق بولا۔

"نہیں!" راحت بھائی چلایا۔

"یہ تو ہونا ہی تھا مسٹر راحت — انسانی جانوں کے مقابلے میں کتوں کی تو کوئی اہمیت نہیں ہے۔" انور شمو نے کہا۔

"آپ کو معلوم بھی ہے — میرے کتے کس قدر قیمتی تھے، ایک ایک کتا حاصل کرنے کے لیے میں نے کتنے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔"

"لیکن — کیا کیا جا سکتا تھا — یہ قصور تو آپ کے ملازم رُوکا کا ہے — آخر انھوں نے ہم پر کتے کیوں چھوڑے — کیا آپ اس سے یہ سوال نہیں کریں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں — یہ سوال تو کرنا ہوگا۔" راحت بھائی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

رُوکا کو تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد ہوش آ گیا — راحت بھائی اس پر جھک گئے۔

"رُوکا — تم نے ان پر کتے کیوں چھوڑے — تمھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ — آپ نے ہی تو فون پر حکم دیا تھا — کہ انسپکٹر جمشید کے بچے مجھ سے ملنے آ رہے ہیں — خبردار — ان سے ہرگز ملاقات نہ کرنا اور ان پر کتے چھوڑ دینا — میں نے چھوڑ دیے۔"

"کیا بکواس ہے۔ میں نے تمہیں ہرگز ایسا فون نہیں کیا۔" راحت بھائی نے تیز آواز میں کہا۔

"جج۔ جی۔ آپ نے فون نہیں کیا تھا۔ لیکن آواز تو آپ کی ہی تھی۔"

"کسی نے میری آواز کی نقل کی ہو گی۔" راحت بھائی نے جلدی سے کہا۔

"پتا نہیں۔ کیا ہو رہا ہے۔ عقل حیران ہے۔" خاور شرکانی بڑبڑائے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ حد درجے الجھا ہوا معاملہ تھا۔ اور ابھی تک ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ سکا تھا۔

"اب ابا جان کو فون کرنا ہی پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ انہیں بلا لو۔" فرزانہ بولی۔

محمود فون کی طرف بڑھ گیا۔ باقی لوگ سکتے کی حالت میں کھڑے رہے۔ ابھی محمود نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے ریسیور اٹھا کر کہا:

"ہیلو۔ کون صاحب؟"

"مسٹر انور شمو یہاں ہوں گے۔ فون کا ریسیور انہیں دے دیں۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور منہ ادھر کر کے بولا،

"مسٹر انور شمو۔ آپ کا فون ہے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر فون سننے لگا۔ چند سیکنڈ تک وہ ہوں ہوں کرتا رہا، پھر اس نے کہا:

"اچھا ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب محمود پھر فون کرنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن انور شمو نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"بس۔ اب آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ پولیس خود ہی آ رہی ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ پولیس آ رہی ہے۔ لیکن میں پولیس کو تو فون نہیں کر رہا۔ میں تو اپنے ابا جان کو فون کر رہا ہوں۔ یہاں ان کی ضرورت ہے۔"

"اوہ اچھا۔ ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

محمود نے گھر کے نمبر ملائے۔ جلد ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو امی جان۔ السلام علیکم۔ ابا جان کو ریسیور دیں۔"

"وہ اس وقت ریسیور نہیں لے سکتے۔ تم پیغام دے دو۔" انھوں نے کہا۔

"انھیں فوراً مسٹر خاور شہرکانی کے ہاں بھیج دیں، یہاں ان کی بہت ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولیں۔

محمود ریسیور رکھ کر مُڑا ہی تھا کہ خان رحمان سے ٹکرا گیا۔ وہ بالکل اس کے پیچھے کھڑے تھے:

"میں کچھ کام آ سکتا ہوں محمود۔"

"آپ تو کام آتے ہی رہتے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"کیا واقعی یہ معاملہ تم لوگوں کے پلے نہیں پڑا۔"

"جی نہیں۔ اُلجھا ہوا بہت ہے۔ لیکن خیر۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔"

دونوں چلتے ہوئے سب لوگوں کے نزدیک آ گئے۔ ایسے میں انور شمو نے کہا:

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو آپ کے والد صاحب کی آمد سے پہلے میں کچھ عرض کروں۔"

"فرمائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ رودکا کو فون کس نے کیا تھا۔"

"کیا مطلب۔" وہ سب اچھل پڑے۔

"ہاں! اس نے رودکا کو فون پر کہا تھا۔ کہ انسپکٹر جمشید کے بچے آ رہے ہیں۔ وہ تم سے ملاقات نہ کرنے پائیں۔

ورنہ ہم پھنس جائیں گے۔ لہٰذا ان پر کُتے چھوڑ دو۔"

"بات کچھ پلے نہیں پڑی۔ مہربانی فرما کر وضاحت کریں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ یوں وضاحت ہو بھی نہیں سکے گی۔ میں شروع سے ہی سُناتا ہوں۔" انور شمو نے کہا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ چہرے تک لے گیا۔ نہ جانے اس نے پھر کیا کیا کہ ایک جھلی سی اُترتی چلی گئی۔

"ارے یہ کیا۔" سب کے سب چلا اُٹھے۔ ان کے سامنے انسپکٹر جمشید کھڑے تھے۔

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں جمشید۔" خان رحمان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے دیکھ رہے ہو۔ اور کیا۔" وہ مسکرائے۔

"یہ سب چکر کیا ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"بہت ہی گہرا چکر ہے۔ مسٹر خاور شہرکانی ہر سال بڑے بڑے سرکاری آفیسرز اور دُوسرے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں کبھی دعوت نہیں دی تھی۔ عین دعوت کے روز مجھے بھی کارڈ ملا۔ مجھے بہت حیرت ہوئی۔ بہت حیرت ہونے کی ایک خاص وجہ تھی۔ اس وجہ کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ خیر۔ میں نے فیصلہ کیا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ تو اپنی اصل شکل صورت کے ساتھ دعوت

میں شریک ہوں گے ، میں کسی کے میک اپ میں جاؤں
گا — ان کے دوست انور شمو سے میرے بھی خاص
دوستانہ تعلقات ہیں ، لہٰذا میں نے ان سے بات کی۔
یہ رضا مند ہو گئے اور میں ان کے میک اپ میں ان
کی کار لے کر یہاں آ گیا — محمود ، فاروق اور فرزانہ
نے یہاں پہنچتے ہی گڑبڑ کی بو محسوس کر لی — پھر انھوں
نے بم تلاش بھی کر لیا — پھر انھیں زہر کے ذریعے ہلاک
کرنے کی کوشش کی گئی — لیکن میرے ہوتے ہوئے — کوئی
انھیں زہر کس طرح دے جاتا — انھوں نے شادو کا پیچھا
کیا — لہٰذا مجرم کو مجبوراً شادو کو قتل کرنا پڑا — یہ کام
اس نے رُوکا سے لیا — اور رُوکا نے مسٹر شرکانی کی کار
کو استعمال کیا جو پہلے ہی چرا لی گئی تھی — اور جس کی چوری
کی رپورٹ بھی درج کرا دی گئی تھی — مسٹر غاور شرکانی سے
جب انھوں نے سوالات کیے تو معلوم ہوا کہ کوئی نامعلوم
شخص انھیں کسی خوفناک کُتّے کے ذریعے روزانہ ایک
خط بھیجتا رہا ہے — اور ان سے دھمکی دیتا رہا ہے کہ
یہ دعوت نہ دی جائے — قدرتی طور پر ان کو خیال آیا
کہ شرکانی صاحب کے کسی دوست کے پاس کُتّے تو نہیں
ہیں — راحت بھائی کے پاس کُتّے نکل آئے — لہٰذا ان کا

خیال فوراً راحت بھائی کی طرف گیا — انھوں نے پہلے تو
ان سے بات چیت کی — اور پھر ان کے ملازم سے ملنے
کا پروگرام بنایا — ظاہر ہے یہ اس سے مل کر کُتّوں کو
دیکھنا چاہتے تھے — اور جاننا چاہتے تھے کہ ان کے پاس
کوئی سیاہ رنگ کا خوفناک کُتّا بھی ہے یا نہیں — انھوں
نے جانے کا پروگرام بنا لیا ، لیکن میں خطرے کو محسوس
کر رہا تھا — اس لیے میں نے ان کے ساتھ جانے کا
پروگرام بنا لیا — اس کے لیے مجھے بہت سے ٹائر پنکچر
کرنا پڑے — تب یہ مجبوراً مجھے ساتھ لے جانے پر تیار
ہوئے — جوں ہی یہ کار سے اُترے اور گیٹ کی طرف بڑھے ،
کُتّوں نے ان پر حملہ کر دیا — اور اگر میری جگہ کوئی اور
ہوتا تو شاید انھیں کُتّوں سے نہ بچا سکتا — مجھے بلا کی
تیزی سے فائر کرنا پڑے — اور اس طرح یہ بال بال بچے —
رُوکا نے جب دیکھا کہ وار خالی گیا — اور اب اسے گرفتار
کر لیا جائے گا تو وہ بھاگ نکلا — لیکن پکڑا گیا — یہ ہے
کُل کہانی ۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

" لیکن ابا جان — یہ کُل کہانی کہاں ہے — ابھی آپ نے
یہ تو بتایا ہی نہیں — مجرم کون ہے — اور اس نے یہ سب
کچھ کیوں کیا ؟"

"بہر حال یہ دعوت مجھے بہت کھٹکتی تھی۔ میں اس دعوت کا مقصد جاننا چاہتا تھا۔ سو میں نے تحقیقات شروع کیں، ایک بہت لمبا چوڑا ریکارڈ چھاننا پڑا۔ اور آخر میں نے جان لیا کہ مسٹر شرکانی بڑے بڑے آفیسرز کو دعوتیں کیوں دیتے ہیں۔ یہ ان دعوتوں کی آڑ میں بڑے بڑے ٹھیکے حاصل کرتے ہیں۔ اور ان ٹھیکوں میں سے اکثر ٹھیکے بالکل بوگس ہوتے ہیں۔ یا جو ٹھیکے واقعی دیے جاتے ہیں، ان پر بھی بہت گھٹیا مال لگاتے ہیں۔ تاکہ جلد ہی انھیں مرمت کے ٹھیکے بھی ملیں۔ ان سے بھی یہ بے تحاشا دولت کماتے ہیں۔ اس بے تحاشا دولت میں سے یہ ان تمام بڑے بڑے افسروں کو دعوت دیتے ہیں۔ ان کو تحفے تحائف دیتے ہیں۔ تحفے تحائف اور ایسی پُرتکلف دعوتیں لینے والے ان کے کام میں نقص نکالیں تو کس طرح اور ٹھیکے دینے سے انکار کریں تو کس طرح۔ صاف ظاہر ہے۔ ان کے ہمدردوں نے انھیں اطلاع دے دی ہو گی کہ انسپکٹر جمشید ان کے معاملات کی چھان بین کر رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے مجھے اور میرے بچوں کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا لیا اور اس کے لیے ترکیب بھی انوکھی سوچی۔ یہی ترکیب جو وہ استعمال کر چکے ہیں۔ انھوں نے خود ہی بم چھپایا،

خطوط کی فرضی کہانی سنائی۔ اس میں خوف ناک بھتّے کا پُراسرار طریقے سے ذکر کیا۔ اور میرے بچوں کو موت کے منہ کی طرف روانہ کر دیا۔ ویسے مجھے ان کے ساتھ نہ دیکھ کر انھیں مایوسی بہت ہوئی تھی، لیکن پھر انھوں نے سوچا کہ پہلے بچے ہی کیوں نہ ٹھکانے لگا دیے جائیں۔ اس طرح میں پاگل ہو کر راحت بھائی کی طرف جاؤں گا۔ اور خود بھی کتّوں کا نوالہ بن جاؤں گا۔ لیکن میں تو ان کا کارڈ ملتے ہی سمجھ گیا تھا کہ دال میں کالا ہے۔ کیوں کہ یہ دعوت کے کارڈ ایک ماہ پہلے دے چکے تھے، جبکہ مجھے انھوں نے آج ہی کارڈ بھیجا۔ اور دوسرے یہ کہ پہلے تو انھوں نے کبھی مجھے اور میرے بچوں کو نہیں بلایا۔ اور مجھ جیسے آدمی کو ان رشوتی دعوتوں میں یہ بلا بھی کیسے سکتے تھے۔ میری ترکیب کارگر رہی۔ یہ مجھے اور میرے بچوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کا منصوبہ بنا چکے تھے، لیکن اپنے جال میں خود پھنس گئے۔ کیوں۔ کیسی رہی۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن ابّا جان۔ کُتّا تو مُلازم ہے راحت بھائی کا۔ اس نے خاور شرکانی کا حکم کیوں مانا؟" محمود نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔

"ڈوکا سے خاور شرکانی وقتاً فوقتاً اس قسم کے خوف ناک کام لیتے رہتے ہیں۔ مخالفوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے یا خوف زدہ کرنے کے لیے یہ ڈوکا کو استعمال کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ڈوکا کو مال کھلاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا یہ حکم کیوں نہ مانتا۔ راحت بھائی کا ملازم یہ بعد میں ہے۔ خاور شرکانی کا غلام پہلے ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اوہ۔ اب تو سارا معاملہ آئینے کی طرح صاف ہو گیا۔ جب کہ تھوڑی دیر پہلے اُلجھی ہوئی ڈور کا گچھا محسوس ہو رہا تھا۔" محمود بولا۔

"چلو شکر کرو۔ ورنہ ہم سوچ رہے تھے کہ یہ کیس شاید کبھی حل نہیں ہوگا۔"

"خیر۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کیس تو آخر کار حل ہو ہی جاتا ہے۔ ہاں! دیر ضرور لگ سکتی ہے۔"

"اور میں سوچ رہا تھا کہ اس مرتبہ ابا جان کی مدد کے بغیر ہی ہم ایک عدد مہم سر انجام دے رہے ہیں، جس کی روداد سن کر ابا جان ہمیں ضرور زبردست قسم کی شاباش دیں گے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

بہت سے چہروں پر مسکراہٹیں رینگ گئیں، لیکن اکثر چہرے شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ یہ بات شرمندگی ہی کی تو تھی کہ وہ رشوت کی دعوت میں شریک ہوتے رہے تھے۔

ناسور

کا انعامی سوال

س: "ناسور" ناول میں کس کو کہا گیا ہے؟

- پانچ قارئین کو آئندہ دو ماہ کے ناول انعام میں دیے جائیں گے۔
- موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- جواب کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- ہر سوال کا جواب الگ کاغذ پر لکھیں۔
- تمام جوابات ایک ہی لفافے میں ارسال کیے جا سکتے ہیں۔
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں۔
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۹۴

مونا کا کے قیدی

مصنف: اشتیاق احمد

- پھر وہی ہو گیا۔ جس کا ڈر تھا۔
- یعنی دو حصوں والا ایک چھوٹا خاص نمبر بن گیا۔
- پہلے حصے کا نام "مونا کا کے قیدی" اور دوسرے حصے کا نام "مونا کا کے دلیس میں" ہو گا۔
- آپ پڑھنے کے سلسلے میں غلطی نہ کیجیے گا۔
- مونا کا کون تھا۔ اور کیا چاہتا تھا۔
- ایک شخص انسپکٹر جمشید کے گھر مہمان ٹھہرا۔ تین دن رہا اور پھر۔
- انسپکٹر جمشید شدید الجھن میں۔
- سیاہ ساحل پر انہیں ایک جنگ کا سامنا۔

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۶۵

مونا کا کے دیس میں

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ ان پر اپنے دوست کے گھر کیا گزری۔
- ○ اس ملک کی حکومت نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔
- ○ مونا کا کہاں تھا۔ کیا انسپکٹر جمشید اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔
- ○ جب فرزانہ کی ترکیب دھری کی دھری رہ گئی۔
- ○ پُرانا گھاٹ جو ایک بدنام جگہ تھی۔ پولیس اس جگہ سے کیوں خوف زدہ تھی۔
- ○ مونا کا کے چہرے سے نقاب اتر سکا یا نہیں۔
- ○ آخری لمحات اس قدر سنسنی خیز ہوں گے کہ آپ پلکیں جھپکنا تک بھول جائیں گے۔ ناول ختم کرکے ہی یاد آئے گا آپ کو۔

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۹۴

لاشوں کا دن

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ اس بار ان کا واسطہ ایک عجیب معاملے سے پڑا تھا۔
- ○ تفتیش دو الگ الگ لاشوں پر شروع ہوتی ہے۔
- ○ پرانے ناول اکثر اس طرز پر لکھے جاتے تھے۔ آپ خوشی محسوس کریں گے۔
- ○ آخر تک یہ سسپنس برقرار رہے گا کہ مجرم کون ہے۔
- ○ مجرم جو ہر وقت ان کے سامنے تھا۔
- ○ آخری لمحات سنسنی خیز۔

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۳۶

ایک لاکھ کا کیس

— مصنف : اشتیاق احمد —

- اس ناول کی دو باتیں پڑھنا نہ بھولیے گا —
- اس مرتبہ انہیں بیک وقت دو کیس ملے ، لیکن کیا وہ واقعی دو تھے ؟
- جلالی نور کا دعویٰ تھا کہ اس بار وہ جیل جانے سے نہیں بچ سکتے —
- شوکی کو سورج طلوع ہونے سے پہلے قاتل کو گرفتار کرنے کا وعدہ کرنا پڑا —
- مقتول کون تھا — اور اسے کیوں قتل کیا گیا تھا —
- آپ یہ بات آخر تک نہیں جان سکیں گے —
- ہر قدم پر سسپنس آپ کو اپنی گرفت میں لیتا چلا جائے گا —
- اس قدر دلچسپ ناول آپ نے بہت کم پڑھے ہوں گے —

قیمت : ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۱۸

ایجاد کا چکر

— مصنف : آفتاب احمد —

- دو سائنس دانوں کی کشتی —
- ایک گمنام سائنس دان کی عجیب ایجاد — اس کا کہنا تھا کہ لوگ اس کی ایجاد کی مخالفت کریں گے —
- ایجاد کیا تھی ؟ مفید تھی یا خطرناک —
- ملک کا ایک گمنام سائنس دان دشمن ملک اڈرآڈ کے ایک منصوبے پر پانی پھیر دیتا ہے —
- اڈراڈ کا منصوبہ کیا تھا ؟
- آخر میں شاید آپ بھی یہی کہیں کہ اس ایجاد نے تو ہمارے خوابوں پر پانی پھیر دیا ہے —

قیمت : ۶/۵۰ روپے

آیندہ کتاب کی ایک جھلک

متفرق سلسلہ ۳۴

کیا آپ ذہین ہیں؟

— مصنف : محمد اسلام نشتر —

- ایک سال پہلے مصنف محمد اسلام نشتر کی ایک کتاب "پہلا دھماکا" شائع ہوئی تھی —
- اسے بہت پسند کیا گیا تھا —
- اب انھوں نے آپ کے لیے دوسری کتاب لکھی ہے —
- اس کتاب میں آپ کے ذہن کو ہلا دینے والے سوالات بمع اشکال شامل ہوں گے —
- آپ ان سوالات میں ایک عجیب قسم کی دل چسپی محسوس کریں گے —
- اپنی نوعیت کی انوکھی کتاب —

قیمت : ۶/۵۰ روپے

ملک کا دماغ

کا انعام

سوال یہ تھا ، فرزاد نے کلہ کر کیا ترکیب دی تھی ؟
جواب : غازی کو چار سو ہیں کے میک اپ میں لے جایا جائے۔

○

— انعام پانے والے —

1. شمس الدین صدیقی ۱۳/۷ - ایچ - III ، ناظم آباد ۲ ، کراچی ۱۸
2. زاہد اختر معرفت حوالدار رحمت دین کلاتھ مارکیٹ ، مین بازار راولا کوٹ ، آزاد کشمیر —
3. شعیب قریشی ، ۲ - سی ہلٹن اپارٹمنٹ ، بلاک ۹ ، کلفٹن ، کراچی
4. عامر جاوید ، مکان نمبر ۲۹ ، کشمیر روڈ ، سیکٹر ای ، کراچی ۴۶
5. شکیل احمد ، مکان نمبر ۹۳ ، ۹۳ ، نزد عثمانیہ کالج ، عثمانیہ کالونی ، ناظم آباد ، کراچی ۱۸ —
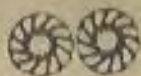
خطوط کے آئینے میں

نوٹ : پہلے تین خطوط انعامی قرار پائے - آئندہ دو ماہ کے ناول ارسال کر دیے جائیں گے ——— (ادارہ)

★

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم ! اللہ آپ کو ہمیشہ بخیریت رکھے اور آپ ہمارے لیے دل چسپ ناول لکھ کر ہمارے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور رکھیں۔

ہم آپ سے چند باتیں کرنے کے لیے خطوط کے آئینے میں آپ کو آئینہ دکھانے آئے ہیں۔

زیادہ تعریف آپ کی نہیں کریں گے۔ ممکن [illegible] آپ بھی اکتا محسوس کرنے لگیں۔ بہر حال حقیقت بیان کریں تو یہ تو ہماری مجبوری ہی ہے۔ آپ کے پاس کہانیوں کے ایسے شان دار پلاٹ (پراپرٹی ڈیلروں والے زمین کے نہیں) ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، حیرت کے سمندر میں غوطے لگانے

پڑتے ہیں - لیکن ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں، جسم پسینے سے بھیگ جاتے ہیں، کیونکہ آپ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ ہمارے ملک میں ایسا ہوتا رہتا ہے جسے آپ تحریری طور پر پیش کر کے ہم لوگوں پر احسان کرتے ہیں اور حکومت کو بھی احساس ہوتا ہے کہ ایسے ملک دشمن افراد کن کونے کھدروں میں چھپے ملک کی جڑیں دیمک کی طرح کاٹ کر ملک کے اتحاد کو کھوکھلا کر رہے ہیں - اب جب کہ ملک کی سرحدوں پر دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے، وہ ملک میں فسادات کے الاؤ بھڑکا رہے ہیں اور پاگل اور سادہ لوح عوام، طلبا ان کے جال کے قیدی بنتے جا رہے ہیں، جب کہ یہ طلبا ملک کا روشن مستقبل ہیں - بہرحال آپ کا یہ احسان میری نظروں میں پوری قوم پر ہے - احسان مند !

محمد رمضان طاہر معرفت بشیر بک ڈپو اینڈ لائبریری، دہلی روڈ جھنگ صدر

اچھے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم ! میں اور میرے گھر والے اچھے ہیں اور امید ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اچھے ہوں گے -

آپ ہمیں دُوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ اچھے لگتے
ہیں ، آپ کے ناول دُوسرے ناولوں کے مقابلے میں اچھے
لگتے ہیں۔ آپ کے ناولوں میں خاص نمبر بہت اچھے لگتے
ہیں۔ خاص نمبروں میں سے "جزیرے کا سمندر" بہت اچھا
لگا ، جو کہ آپ کو خود بھی اچھا لگتا ہے۔ اس ماہ کا خاص
نمبر بھی دُوسرے خاص نمبروں کی طرح اچھا لگا ، لیکن "جزیرے
کا سمندر" سے زیادہ اچھا نہیں تھا۔ اس میں سی مون اور بلانڈ
کنگ کی لڑائی اچھی لگی۔ تینوں پارٹیوں کی مُلاقات اچھی لگی۔
سی مون اور تینوں پارٹیوں کی لڑائی اچھی لگی اور فاروق کو
آدھے سفر پر سی مون کا مُبارک باد دینا اچھا لگا۔

اب آخر میں یہ دُعا ہے کہ آپ کو یہ خط دُوسرے خطوط
سے اچھا لگے اور "اچھے" کی یہ گردان بھی آپ کو اچھی لگے۔

بشارت علی ، آشیانہ محب علی ، جیلانی روڈ ، سکھر (سندھ)

ڈیر انکل اشتیاق احمد

"دفترِ موسمیات سے سلام ;

ٹوں — ٹوں — ٹوں — !

اب پیش ہوتا ہے اشتیاق احمد کے خاص نمبر کا حال۔
خاص نمبر "سی مون کی واپسی" ۲۹ تاریخ کو گرج چمک کے ساتھ

لاہور سے ٹپکا اور کراچی میں اٹکا۔ لائبریریوں اور بک سٹالوں
پر عین دوپہر کو سیلاب آ گیا جس میں بے شمار قارئین
افسوس کرتے رہ گئے۔ اس کے دُوسرے دن مطلع ابر آلود
رہا اور لائبریری ہولڈرز اور بک سٹال والوں کے گلے خشک
رہے۔ قارئین کی رائے کے مطابق خاص نمبر میں مزاح کم
تھا اور ضرب الامثال کا تناسب نقطۂ محاورات سے افسوس ناک
حد تک نیچے گر گیا۔ ایک سروے کے مطابق ناول میں جاسوسیت
کا تناسب ۹۰ فیصد رہا۔ ناول میں موسلادھار غلطیاں دیکھنے
میں نہیں آئیں۔ آیندہ چوبیس گھنٹوں کے دوران اشتیاق پبلیکیشنز
میں خطوط کے زلزلے آنے کی توقع ہے ، جب کہ ملک کی
لائبریریوں میں بدستور سیلاب جاری رہے گا۔

آپ نے خاص نمبر کا حال سُنا ، یہ حال ایک مرتبہ پھر دہرایا
جائے گا۔ شکریہ !

عبدالواحد ذکریا قاسم ، دُکان نمبر ۹ ، چائنا ٹریڈنگ ، اورنگ زیب مارکیٹ
ایم۔ اے جناح روڈ ، کراچی

محترم اشتیاق احمد صاحب

آداب و تسلیمات ! خاص نمبر کی ابتدا احادیث مُبارکہ کے
مطالعے سے ہوئی اور پھر پہلے ، دُوسرے اور تیسرے صفحے

تک پہنچ گئے۔ کہیں بھی بوریت کا احساس نہ ہوا۔ پہلے حصّے میں کرداروں نے بڑی تیزی سے پلٹتے ہوئے واقعات کا ساتھ دیا، لیکن دُوسرے حصّے کے درمیان میں کہیں کہیں واقعات کو طول دینے کی کوشش کی گئی، لیکن تیسرے حصّے سے لے کر آخری حصّے تک کہانی کا تسلسل اور کرداروں کا نئے نئے حادثات کی پلیٹ میں آنا، ناول کی کامیابی کی ضمانت بن گیا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ —

دینا غزل، لاہور

محترم اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم! خاص نمبر کے بارے میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ تینوں پارٹیوں کا الگ الگ خاص نمبر لکھا کریں۔ ہر چار ماہ کے بعد ایک پارٹی کا خاص نمبر ہو اور اس ماہ دُوسرا کوئی بھی ناول نہ ہو۔ اس کی ضخامت بھی عام چار ناولوں کے برابر ہو اور اس کی قیمت بھی۔ اس طرح سال میں دو کی بجائے تین خاص نمبر ہو جائیں گے، اور کرداروں کی بھرمار بھی نہیں ہو گی۔ ایک ہی ناول میں تمام کرداروں کو لانے سے ان سب کے ساتھ انصاف کرنا مشکل ہو جاتا ہے، امید ہے مشورہ پسند آئے گا۔

محمود حسن، مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی ۵۲

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! پہلی مرتبہ آپ کی بزم میں شمولیت کی جسارت کر رہا ہوں۔ سب سے پہلے تو اتنے اچھے اور ایمان افروز ناول لکھنے پر مبارک باد قبول فرمائیے۔ آپ کے ناول ایک عرصے سے پڑھ رہا ہوں، پھر اچانک آپ کی "میری کہانی" پڑھی، دل کو خط لکھنے پر مجبور پایا۔ اسی اثنا میں "سی مون کی واپسی" پڑھا۔ آپ نے جس طرح امریکہ کے ہماری سرزمین کے قریب فوجی اڈّہ بنانے کے منصوبے کے مقصد پر روشنی ڈالی ہے، بے شک وہ ایک عظیم مصنّف کے سوا کوئی اور یہ بات اس قدر واضح نہیں کر سکتا۔ "میری کہانی" پڑھ کر معلوم ہوا کہ عظیم بننے کے لیے کس قدر محنت و مشقت کی کی ضرورت ہے؛

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

میں نے کئی دُوسرے مصنّفوں کے ناول بھی پڑھے ہیں، لیکن ہر ناول میں کہیں نہ کہیں رومان اور فحش باتیں ضرور آ جاتی ہیں۔ آپ کے ناول پڑھنے، دین کی باتوں کا پتا چلا، آپ

نے ناول کے عمومی تصور کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

انکل میری ایک خواہش ہے کہ مسلمان متحد ہو جائیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ اتفاق و اتحاد کی عدم موجودگی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ناول کے آخر میں اپنے قارئین کو اسلام میں اتحاد کی اہمیت پر ایک عدد سبق دیا کریں۔ اس طرح آپ دینِ اسلام کی ایک عظیم خدمت کر سکتے ہیں۔ آپ کے یہ ننھے منے قاری جب کل کو ملک اور قوم کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو یقیناً مسلمان عظمت کے عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔ — اتحادِ عالمِ اسلام کا داعی،

محمد انور معرفت مقبول الٰہی مغل، مکان نمبر ۱۹، گلی نمبر ۳، سعید پارک شاہدرہ، لاہور

پیارے اشتیاق انکل

آداب! یہ میرا چوتھا خط ہے۔ آپ کے ناول مجھے بہت پسند ہیں۔ آپ کے ناول میں نے پانچویں جماعت سے پڑھنا شروع کیے تھے اور اب میں آٹھویں جماعت میں ہوں۔ اس دوران کوئی ناول ایسا نہیں جو میں نے نہ پڑھا ہو۔ اس مرتبہ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ ہمارے گھر میں آپ کے ناول بچے تو بچے بڑے بھائی بھی پڑھنے لگ گئے ہیں۔

محمد نعمان شیخ، مکان نمبر ۱۳۵۰، میر پور خاص

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! آپ کے دو ناول "قردے چور" اور "ملک کا دماغ" پڑھے۔ پڑھ کر انتہائی لطف آیا۔ اس سے قبل خاص نمبر "سی مون کی واپسی" پڑھا۔ یہ خاص نمبر حقیقتاً بہت اچھا تھا۔ اس میں سی مون کی اصول پسندی نے ناول کو چار چاند لگا دیے۔ "خطوط کی عدالت" میں قارئین کے مزیدار اور چٹ پٹے خطوط پڑھ کر بڑا مزا آیا۔ والسلام،

سعید اطہر، ٹاؤن شپ، لاہور

انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! خاص نمبر "سی مون کی واپسی" پڑھا۔ یہ خاص نمبر آپ کے سب خاص نمبروں سے بازی لے گیا۔ اس خاص نمبر کا پلاٹ منفرد تھا۔ آپ کے ناولوں میں ایک اشتہار "انجمن دعوت فکر و عمل" کے قیام کے بارے میں پڑھا۔ جس کے منتظم آپ ہیں۔ کیا میں بھی اس انجمن کی رکن بن سکتی ہوں؟ اور کیا ہمیں ماہ بماہ لٹریچر ملتا رہے گا؟

آپ کی بیٹی، نعمانہ سرور، باغبانپورہ، لاہور

بچاؤ: فی الحال ممبر نہیں۔ ان شاء اللہ لٹریچر ہر ماہ ارسال کیا جائے گا۔

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! انعامی پیکٹ ۲۱ جنوری کو مل گیا۔ شکر ہے کہ ہنگاموں کی نذر نہ ہوا۔ کراتے کے ہمدرد سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی۔ سرورق پر انسانی تصویر ایک بار پھر موجود تھی۔ بلّی نما عورت کی وجہ سے ناول میں انفرادیت پیدا ہو گئی۔ منصوبہ عجیب تھا۔ شوکی کو بیٹھے بٹھائے ثبوت مل گیا۔ کامران مرزا اس مرتبہ بڑی مصیبت میں پھنسے، مگر اس بار معاملہ جاپانیوں کا نہ نکلا، بلکہ شارجستان کا نکلا۔ آخر میں آپ نے کہانی کو جلدی جلدی سمیٹ دیا۔ پورا ناول محکمے کی تلاش میں گزر گیا۔ "مُردے چور" خیالی بنیاد پر پروان چڑھی۔ اگر ایسا زہر ایجاد ہونا ممکن ہو تو وشال اور انشارجہ ہر ملک سے مُردے درآمد کرنا شروع کر دیں۔ "ملک کا دماغ" کا موضوع نیا تھا۔ اس میں شارجستان اور پاکستان کی جنگ دکھائی گئی ہے۔ آپ بنگال، انشارجہ، شارجستان، وشال کا ذکر تو کرتے ہیں مگر کسی دوست ملک کا ذکر نہیں کرتے مثلاً چین کا۔ والسلام!

محمد عادل منہاج، بلاک نمبر ۱۰، مکان نمبر ۵، ایریا جی۔ ۵، نیو کراچی